قائدین کی مائیں

تالیف

نیلوفر بنت علی

طالبہ

الکلیۃ السلفیۃ للبنات، سرینگر، کشمیر

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله، وبعد:

کتاب ''قائدین کی مائیں'' ایک دل چسپ کتاب ہے۔ یہ خواتین کو اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرنے اور اس کے اسباب ووسائل کو اختیار کرنے پر ابھارتی ہے۔ کتاب میں کئی ایسی خواتین کا تذکرہ ہے جن کے بیٹے بڑے ہو کر اپنے وقت کے رہنما بنے، چنانچہ اس سلسلے میں اسوے کے طور پر ان خواتین کے احوالِ زندگی سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ان عظیم خواتین میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے، اسی طرح امہات المؤمنین اور دیگر عظیم خواتین جن کا ذکر کتاب کے آخری حصے میں کیا گیا ہے۔ ہم اس کتاب میں (اللہ کے بعد) بچوں کی نیکی کے اسباب بھی بیان کریں گے تاکہ حسنِ تربیت کے سلسلے میں ان کی پیروی کی جا سکے، اسی طرح ہر ماں کی سیرت سے کچھ اہم جملوں کو ممتاز کر دیا گیا ہے۔ ہم بہن نیلوفر بنت علی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کے علاوہ جس کا بھی کتاب کو منظرِ عام پر لانے میں حصہ ہے ان کے بھی شکر گزار ہیں۔ اللہ کی ذات سے ہی توفیق وابستہ ہے۔

عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمن المہنا ابا الخیل

بریدہ، قصیم، سعودی عرب

تقریظ

الحمد لله وكفى والصلاة والسلام على الرسول المصطفى وعلى كل عبد مجتبى. أما بعد:

دین اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے تربیت اولاد شامل ہی نہیں بلکہ مقصد حیات ہے۔ تربیت اولاد میں نمایاں کردار ماں کے صالح ہونے میں مضمر ہے۔ دین اسلام میں عورت کو ایک خاص مقام حاصل ہی نہیں بلکہ خیر متاع الدنیا سے تعبیر کرکے خواتین کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ لیکن عصر حاضر میں اعداء اسلام کی کاوشیں خواتین اسلام کو شکوک وشبہات کی دنیا میں دھکیل کر دین رحمت سے دوری پیدا کرنے کی سعی بے کار کی مصروفیت میں نظر آنے لگی ہے۔ لہذا وقت کی اہم ضرورت ہے کہ خواتین اسلام اپنے مستقبل کے پھولوں کی سینچائی آسمانی رشد وہدایت کی ان بنیادوں پر کریں جن بنیادوں کی پاسداری کرتے ہوئے ہماری اسلاف کی ماؤں نے رہتی دنیا تک ایسے قائدین ور ہنما پیدا کئے ہیں جو آفتاب ومہتاب کی طرح چمکتے ہوئے تاریخ اسلام کی زینت ہیں۔

زیر نظر کتاب ''قائدین کی مائیں'' اسی کی ایک اہم کڑی ہے جو ہماری ہونہار شاگردہ رشیدہ طالبہ الکلیۃ السلفیۃ للبنات حافظہ نیلوفر بنت علی کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ مؤلفہ نے اس کتاب کو تیار کرنے میں کافی محنت ومشقت سے کام لیا ہے۔ مؤلفہ نے مذکورہ کتاب میں خواتین اسلام کو تاریخ اسلام کی ان ماؤں جنہوں نے قائدین ور ہنما پیدا کئے ہیں نہ صرف ان کی سیرت سے باخبر کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ یقین کاملہ سے اس کتاب کی تالیف کرکے اس بات کی یاد دہانی کی ہے کہ وہ وقت بعید نہیں ہے کہ آج بھی اس پرفتن دور میں ایک عورت نور رسالت اور وحی الہی سے اپنے دل ودماغ کو معطر کرکے دنیا کی تمام فرعونی سرکشی وبغاوت کا مقابلہ کرسکتی ہے، بشرطیکہ ام موسی کے اس کردار کو یاد رکھا جائے جس کے کردار کو قرآن جیسی عظیم کتاب میں جگہ ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ جب ام موسی نے آسمانی ہدایت کا سہارا لیتے ہوئے اپنے لخت جگر نور نظر کو اللہ تعالی کے ایک ہی اشارے پر سمندر کی نذر کردیا تھا، پھر اس کی توحید کاملہ کا نتیجہ یہی تھا کہ اللہ تعالی نے موسی علیہ الصلاۃ والسلام کو نہ صرف اپنی ماں کی طرف واپس کیا بلکہ جس سمندر میں موسی علیہ السلام کو اپنی ماں نے ڈالا تھا، اسی سمندر میں فرعون کی سرکشی وبغاوت ہی نہیں بلکہ ذات فرعون کو غرق آب کیا۔ تاریخ

اسلام کے مطالعے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ جب اللہ تعالی نے عالم انسانیت کی رہ نمائی ورہ بری کرنے کی ابتداء کی تو سب سے پہلے آسمانی ہدایت کی کرنوں سے فیضیاب ہونے کی سعادت تصدیق ہی نہیں بلکہ اس بار گراں و قول ثقیل کے تحمل کے لیے جو تسلی بخش جواب رسول اللہ ﷺ کو ملا تھا، وہ بھی ایک خاتون ہی کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ تھے، جن سے رسول اللہ ﷺ کا نہ صرف خوف وہراس دور ہوا تھا بلکہ ثابت قدمی اور اطمئنان قلب بھی حاصل ہوا تھا۔ وہ سنہرے الفاظ یہ تھے کہ: ''كلا فوالله لا يخزيک الله أبدا، انک لتصل الرحم و تصدق الحديث و تحمل الكل و تقری الضيف و تعين على نوائب الحق'' یہ عظیم خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں، جنھیں ام المؤمنین ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اسی عظیم تربیت کی کاوش جمعیت اہلحدیث جموں وکشمیر کے اعیان واکابرین کی ہے، جسکی زندہ مثال الکلیۃ السلفیۃ للبنین اور الکلیۃ السلفیۃ للبنات دو عظیم ایسے ادارے ہیں، جن کے سایے تلے یہ چمن کے پھول کھل رہے ہیں اور ان شاء اللہ کھلتے رہیں گے۔

آخر پر میں اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مؤلفہ کی اس علمی کوشش کو شرف قبولیت سے نواز کر اسے ان کے اور ان کے والدین کے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین۔

و صلى الله على محمد و على آله و أصحابه أجمعين

کتبہ

محمد خلیل المدنی

[مدرس: الکلیۃ السلفیۃ للبنات بمنہ سرینگر کشمیر]

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان وسار على نهجهم إلى يوم الدين. أما بعد:

خوش نصیبی کا راز علم و معرفت اور تعلیم و تربیت کی صفائی اور پاکیزگی میں پنہاں ہے۔ اسلام چوں کہ مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس لیے جہاں اس میں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ٹھوس، مضبوط اور مبنی بر حقیقت اصول موجود ہیں وہیں صراطِ مستقیم سے انحراف اور کجی کی طرف لے جانے والے راستوں کو بہ تمام و کمال بند کیا گیا ہے۔ چوں کہ اولاد کی صحیح یا فاسد تربیت پر اسلامی معاشرے کی فلاح و بہبود یا خسارے اور بگاڑ کا دار و مدار ہوتا ہے، لہٰذا قرآن و سنت کے چشمۂ صافی میں اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت (نعمتِ اولاد) کی صحیح ڈھنگ سے تربیت کرنے کے لیے سنہرے اصول و ضوابط بیان کیے گئے ہیں، جن پر کماحقہ عمل کرنے سے معاشرہ امن اور شانتی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

ہمارے سلفِ صالحین کی عالی مرتبت اور عظیم ماؤں نے اپنے لخت ہائے جگر کی تربیت کرنے میں ان الٰہی اور نبوی اصولوں کی پاس داری کی، جس کے نتیجے میں ایسے ائمۂ دین اور رہ نما عالمِ وجود میں آئے، جن کے سنہرے نقوش رہتی دنیا تک علم کے بے غبار فلک پر چمکتے دمکتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان عظیم اور عالی ہمت ماؤں کے لیے ان کی اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیا اور بعد میں آنے والے لوگوں میں ان کو لسانِ صدق عطا فرما کر راہِ ہدایت کے سالکوں کے لیے قائد و رہنما بنا دیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے 'امير المؤمنين فی الحديث' اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے 'إمام أهل السنة' کی تربیت اور علمی نشو نما کے پیچھے بھی ان کی جلیل القدر ماؤں کا کردار پنہاں ہے۔

لیکن دورِ حاضر میں مادیت کے فتنے اور مغربی تہذیب کی یلغار سے متاثر ہو کر مسلمانوں کی اکثریت نے اسلاف سے پائی ہوئی بصیرت افروز وراثت کو حرزِ جان بنانے کے بالکل برعکس، اسے پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ وہ اپنے

بچوں کی تربیت مغرب کے خود ساختہ اور وضعی قوانین کے مطابق بڑے شوق سے کر رہے ہیں، جس کا انجام اولاد کی سرکشی، بغاوت اور عقوق و نافرمانی کی شکل میں سامنے آرہا ہے۔ جب کہ ہر دیدۂ بینا اور فکرِ سلیم رکھنے والے کو کامل ادراک ہے کہ یہ خود ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، کیوں کہ کانٹے بو کر پھولوں کی امید رکھنے والا عقل و خرد سے عاری شخص ہی ہو سکتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ عصرِ حاضر کے مسلم والدین اپنے اسلاف کی ڈگر پر چلتے ہوئے اور ان کے مبارک اصولوں کو اپناتے ہوئے اپنے پیارے بچوں کی تربیت اسلامی منہج کے مطابق کریں، تاکہ ان کے بچے بڑے ہو کر آج کے تاریک و پُر فتن دور میں ائمۂ رشد وہدایت کی نظیر پیش کریں، تمام عالم میں وحیِ الٰہی اور سنتِ نبوی کے عظیم دعوتی واخلاقی پیغام کو عام کریں اور حرا سے اٹھنے والی روشنی سے سارے جہان کو منور کر دیں۔

سلفِ صالحین کی سیرت سے بے خبر ہونا اور اس کو عملی جامہ پہنانے سے بے رغبتی برتنا کئی روحانی بیماریوں کا پیش خیمہ ہے۔ اسی بات کا ادراک کرتے ہوئے سعودی عرب کے جید عالمِ دین فضیلۃ الشیخ عبد العزیز المہنا حفظہ اللہ نے وادیٔ کشمیر کی معروف علمی دانش گاہ ''الكلية السلفية للبنات'' کے وسیع تاریخی ہال میں مذکورہ موضوع پر تقریر کرنے کے بعد، میرے شیخِ محترم فضیلۃ الشیخ محمد خلیل المدنی حفظہ اللہ کی نشان دہی پر، مجھ جیسی عاجز و حقیر طالبۂ علم کو اس موضوع پر ایک کتاب تحریر کرنے کا حکم فرمایا۔ میں نے اپنی علمی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالیٰ سے مدد و توفیق کی امید رکھتے ہوئے اپنے شیخِ محترم کی سرپرستی میں اس نگینے کو جڑنے کی حامی بھر لی۔

میں نے اس کتابچے کو مقدمے، تمہید، چار ابواب اور خاتمے میں تقسیم کیا ہے۔ چوں کہ اس کتابچے میں درج اکثر واقعات تاریخ و تراجم کی کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں، لہٰذا بقدرِ استطاعت واقعے کے تثبت اور صحت کا خیال رکھا گیا ہے اور ساتھ ہی کتابچے کو مفید اور عام فہم بنانے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ اب اگر اس تحریر میں کوئی خوبی ہے تو وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر اس کے برعکس کچھ ہے تو وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے منزہ اور پاک ہے۔

علاوہ ازیں میں اس بات کو ذکر کر دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ یہ کتاب اصل میں اردو زبان میں لکھی گئی تھی، پھر فضیلۃ الشیخ عبد العزیز المھنا حفظہ اللہ نے اس کے عربی زبان میں ترجمہ کے لیے ایک ہونہار اور باصلاحیت جوان بھائی عطاء الرحمن عبد الرحمن قصیمی حفظہ اللہ تعالی کا انتخاب کیا، جنھوں نے جامعہ اسلامیہ سنابل، نئی دہلی سے تخرج حاصل کرنے کے بعد جامعۃ القصیم، سعودی عرب سے اسلامیات میں بی اے کیا ہے۔ مترجم نے بہت ہی امانت داری سے ترجمہ کر کے اس کتاب کو نکھارا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں فائز المرام فرمائے۔

میں اس مبارک موقعے پر جب کہ کتاب اپنے اختتام کو پہنچ چکی اور عنقریب طباعت کے مرحلے سے نکل کر منظرِ عام پر آنے والی ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے صحت و عافیت سے نوازا، مجھے طلبِ علم کی توفیق دی اور کتاب کی تکمیل سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔

اس حسین موقعے پر میں اپنے والدین کا بے پایاں احسان کیسے بھول سکتی ہوں، جنھوں نے مجھے علم اور اہل علم کی محبت پر میری تربیت فرمائی، مجھے حصول علم کے لیے ہر طرح کے جھمیلوں سے آزاد رکھا، کتاب کی تالیف کے لیے بھرپور فراغت دی اور اس سلسلے میں میرا ہر ممکن تعاون کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ جیسے انھوں نے مجھے بچپن میں پالا، ویسے ہی ان پر رحم فرمائے، میری طرف سے انھیں بہترین بدلہ عنایت فرمائے اور صحت و عافیت اور عملِ صالح کے ساتھ ان کا سایہ میرے سر پر تادیر قائم فرمائے۔

ان کے ساتھ ساتھ میں اپنے مشفق شیخ صاحب فضیلۃ الشیخ محمد خلیل المدنی حفظہ اللہ کی بھی تہِ دل سے نہایت شکر گزار ہوں، جنھوں نے ابتدا سے ہی مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور جب اللہ کی نصرت و تائید سے کتابچہ پایۂ تکمیل کو پہنچا، تو انھوں نے اپنی علمی مشغولیات سے وقت نکال کر بہت کم وقت میں اسے از اول تا آخر پڑھا اور مناسب مقامات پر تصحیح بھی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور علم و عمل میں برکت عطا فرمائے اور ان کو اپنی مرضیات سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اساتذہ کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے، ان کا سایہ تادیر ہم پر قائم رکھے اور ہمیں اور امتِ مسلمہ کو ان کے فیض سے مستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔

اپنے محسن زعماء جمعیت کی عموماً اور بالخصوص صدر جمعیت اہلِ حدیث جموں وکشمیر فضیلۃ الشیخ پروفیسر عبد الخالق بٹ المدنی حفظہ اللہ اور ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد اللطیف الکندی المدنی صاحب حفظہ اللہ کی بھی تہِ دل سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے جموں وکشمیر کی شائقاتِ علم کی پیاس بجھانے کے لیے ایک عظیم گہوارۂ علم و فن؛ الکلیۃ السلفیۃ للبنات بمنہ سرینگر کی بنیاد ڈالی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس عظیم کام کو ان کے میزان حسنات میں شامل کر کے ان کو مزید اپنی مرضیات سے نوازے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دست بہ دعا ہوں کہ وہ فضیلۃ الشیخ عبد العزیز المہنا حفظہ اللہ کو اپنی رضامندی سے فائز المرام فرمائے اور انھیں سعادتِ دارین سے نوازے؛ کہ ''الدال علی الخیر کفاعله'' کے پیشِ نظر اس کوشش کی تکمیل میں ان کی ترغیب وحث کا نمایاں کردار کارفرما رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ملتجی ہوں کہ وہ اس کتابچے کو میرے لیے باعثِ نجات بنائے اور اسے قبولِ عام عطا فرما کر امت کے لیے مفید راہ نما بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو صرف اور صرف اپنی ذات کے لیے قبول فرما کر اسے میرے لیے، میرے والدین، اساتذۂ کرام اور تمام معاونین و قارئین کے لیے باعثِ مغفرت اور سببِ نجات بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

نیلوفر بنت علی

طالبہ: الکلیۃ السلفیۃ للبنات، سری نگر کشمیر۔

بتاریخ: ۱۷ جنوری ۲۰۱۹م مطابق ۱۰/۰۵/۱۴۴۰ھ

اولاد: اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت

اولاد اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، بشر طیکہ ان کی اسلامی ڈھنگ سے تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا جائے۔ اگر یہ اللہ کی عظیم نعمت نہ ہوتی تو انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے حضور اولاد کے لیے گڑ گڑا کر دعا نہ مانگتے اور اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول کے لیے درخواستیں پیش نہ کرتے۔ جب کہ ہمیں قرآن میں طلبِ اولاد کے لیے اللہ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ خوبصورت اور پُر نم دعا ملتی ہے:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِين﴾ [الصافات:۱۰۰] (اے میرے رب! مجھے نیک بیٹا عطا فرما)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی اس دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور آپ کو ایک بردبار فرزندِ ارجمند عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے فوراً بعد فرماتے ہیں:

﴿ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلاَمٍ حَلِيم ﴾ [الصافات:۱۰۱] (تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ ان آیات کے ذیل میں رقم طراز ہیں: ''خلیل اللہ علیہ السلام جب اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہو گئے اور جب بڑی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی انھیں ایمان نصیب نہ ہوا، تو آپ نے ان سے ہٹ جانا پسند فرمایا اور اعلان کر دیا کہ میں اب تمھارے بیچ سے ہجرت کر جاؤں گا، میرا رہنما میرا رب ہے۔ ساتھ ہی اپنے رب سے اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا مانگی تاکہ وہی توحید میں آپ کا ساتھ دے۔ چنانچہ اسی وقت دعا قبول ہو گئی اور ایک بردبار بچے کی بشارت بھی دے دی گئی۔ یہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام تھے، یہی آپ کے پہلے صاحب زادے تھے اور سیدنا اسحاق علیہ السلام سے بڑے تھے۔''[1] اللہ تعالیٰ نے یہاں پر 'حلیم' کہہ کر اشارہ فرما دیا کہ بچہ بڑا ہو کر بردبار ہو گا۔[2]

---

[1]: تفسیر ابن کثیر (مترجم اردو): ۵/۲۷۔

[2] احسن البیان: ۱۲۶۲۔

اللہ تعالیٰ نے (سیدنا ابراہیم علیہ السلام) کی دعا قبول کر لی تھی، چنانچہ سارہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہونے والے اسحاق علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں یعقوب جیسا بیٹا دیا، جو اپنے دادا اور باپ کی طرح نبی ہوئے۔ ان تینوں کو اللہ تعالیٰ نے 'صالح' کا لقب دیا، اس لیے کہ انھوں نے اپنے خالق ومالک کا حقِ عبادت پورے طور پر ادا کیا اور بندوں کے حقوق کی ادائی میں بھی کوئی کمی نہیں کی۔ اب سب کو اللہ تعالیٰ نے رشد وہدایت کا امام بنا دیا، وہ آسمانی وحی کے مطابق لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتے تھے اور خود بھی نیک کام کرتے تھے۔[3]

اسی طرح سیدنا زکریا علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے پاکیزہ اور نیک اولاد کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لاَ تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِين ﴾ [الأنبياء:٨٩] (اور زکریا کو یاد کرو، جب اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے۔)

یہی قصہ دوسری جگہ قدرے تفصیل سے ذکر ہے کہ جب زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمی پھل دیکھے تو ان کے دل میں بھی بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ پن کے باوجود یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! اللہ تعالیٰ انھیں بھی اولاد سے نواز دے۔ چنانچہ بے اختیار بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو بھی شرفِ قبولیت سے نوازا:

﴿ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاء. فَنَادَتْهُ الْمَلآئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِين ﴾ [آل عمران: ٣٨-٣٩] (اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کو سننے والا ہے۔ پس فرشتوں نے انھیں آواز دی جب کہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھے یحیٰ کی یقینی خوش خبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمے کی تصدیق کرنے والا سردار، نفس پر ضبط کرنے والا اور نبی ہے نیک لوگوں میں سے۔)

---

[3] صحیح سیرتِ انبیاء: ١٦٦۔

مذکورہ آیاتِ بینات کی روشنی میں بلاتامل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یقیناًاولاد اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے بشرطیکہ ان کی تعلیم وتربیت کو حرزِ جان بنالیا جائے۔یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ نبیوں نے بھی طلبِ اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دستِ سوال دراز کیا۔اولاد لڑکا ہو یا لڑکی،دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔دنیا کے اندر اس طرح کہ اولاد زندگی کے ماتھے کا جھومر ہے،اس کی وجہ سے گھر میں چار چاند لگ جاتے ہیں،اس کا سُوناپن رونق میں بدل جاتا ہے اور اس کے اندر مسرت وشادمانی ہر سو پھیل جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ﴾ [الکھف:۴۶](مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔)

اور آخرت کے اعتبار سے اولاد اس طرح نعمت ہے کہ اگر اولاد کی تربیت کے عمل کو اسلامی طریقے کے مطابق صحیح ڈھنگ سے انجام دیا جائے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس پر اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے اور یہی اولاد آگے چل کر جو بھی نیک وصالح عمل بجالائے گی تو اس میں والدین کا حصہ بھی ہوگا۔

تربیتِ اولاد میں ماں کا کردار

اولاد کی تربیت کے سلسلے میں ماں باپ کی ذمہ داری بہت ہی عظیم و جسیم ہوتی ہے۔بچہ مدرسے میں جا کر استاد کے ہاتھوں تعلیم و تربیت سے آراستہ ہونے سے پہلے اپنی عمر کا ایک حصہ گھر میں والدین اور دیگر متعلقین کے ساتھ بسر کرتا ہے اور انھی سے زندگی کے آداب و سلیقے سیکھتا ہے۔ماں کی گود بچے کا پہلا مدرسہ ہوتی ہے۔

تربیت کے سلسلے میں کا ماں کردار زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیوں کہ بچہ باپ کے مقابلے میں ماں سے ہی زیادہ قریب ہوتا ہے۔ایک عربی شاعر کہتا ہے:

الأم مدرسة إذا أعددتها　　　　أعددت شعبا طيب الأعراق

(ماں کی حیثیت مدرسے کی ہے، اگر تم اس کو بنانے میں کامیاب ہوگئے تو تم ایک اچھی قوم تیار کر سکتے ہو۔)

مسلم ماہرینِ تربیت کا خیال ہے کہ بچے کی تربیت خود ماں کو کرنی چاہیے، اسے آیا یا نرس کے حوالے کرنا بہتر نہیں ہے، بچے کو جو پیار ماں دے سکتی ہے کوئی دوسری عورت نہیں دے گی۔ طبّی طور پر یہ ثابت ہے کہ بچہ جسمانی و اخلاقی دونوں لحاظ سے دودھ پلانے والی عورت کا اثر قبول کرتا ہے، اس لیے اگر بچے کو کسی آیا کے حوالے کرنا ضروری ہو تو پھر اس کے لیے دین دار، پاک دامن اور تعلیم و تربیت کے اصولوں سے واقف عورت کا انتخاب کرنا چاہیے۔ تربیت کے سلسلے میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ والدین بچے کے ساتھ سختی و نرمی میں اعتدال سے کام لیں۔ ہر موقعے پر بچے سے ناراض رہنا یا بات بات پر اسے جھڑکنا اور ڈانٹنا بچے کے اندر غلط جذبہ پیدا کرتا ہے۔اسی طرح بچے کے ساتھ پیار محبت میں مبالغہ بھی اسے غلط راہ پر ڈال دیتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ والدین اور بالخصوص ماں سختی اور نرمی میں اعتدال سے کام لے، تاکہ بچہ صحیح راہ پر قائم رہے۔[4]

یہ ماؤں کی ہی اچھی تربیت کا نتیجہ و ثمرہ تھا کہ ہمارے سلفِ صالحین میں سے علم و فضل کے ایسے ایسے روشن ستارے پیدا ہوئے جو رہتی دنیا تک آسمانِ علم پر جگمگاتے رہیں گے۔ چنانچہ آئندہ اوراق میں ہم انھی قائدین علم و فن کی

---

[4] خاتونِ اسلام: (۲۲۳۔۲۲۴)

جلیل القدر ماؤں کا تذکرہ سپردِ قرطاس کریں گے (ان شاءاللہ)، جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی انھی ماؤں کی تربیت کے سبب ہی تاریخِ اسلام میں بڑے بڑے علماء و فضلاء اور قائدین و مجاہدین پیدا ہوئے۔

تربیتِ اولاد کے ثمرات

اولاد اگر نیک و صالح اور تربیت یافتہ ہو گی تو وہ صرف اس زندگی میں ہی نہیں، بلکہ مرنے کے بعد بھی والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک سکونِ دل اور اجر و ثواب کا موجب بنے گی۔ اولاد (خواہ نر ہو یا مادہ) کی مستقیم تربیت سے انسان کے درجات بلند ہو جاتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (إِنَّ الرَّجُلَ لَتُرْفَعُ لَهُ الدَّرَجَةُ فِي الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ أَنَّى لِي هَذِهِ؟، فَيُقَالُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ.)[5](بلاشبہ جنت میں آدمی کا درجہ بلند کیا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: یہ کس وجہ سے ہوا؟ اس سے کہا جاتا ہے: تیری اولاد کے تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔)

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ)[6](جب انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین اعمال کے، (وہ منقطع نہیں ہوتے): صدقۂ جاریہ یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔)

انسان جب مر جاتا ہے تو اس کا سلسلۂ عمل منقطع ہو جاتا ہے، یعنی اب وہ خود کوئی عمل نہیں کر سکتا، اس کے عمل کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ عمل کے اس انقطاع کے باوجود کرنے والے نے زندگی میں جو اچھے عمل کیے اگر ان کی منفعت اور برکت آگے جاری ہے تو وہ عمل منقطع نہیں، وہ تسلسل سے جاری ہیں، اس لیے ان سے اس کو مسلسل ثواب ملتا رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ایسے تین بنیادی

[5]- مصنف ابن أبي شيبہ: (٢٩٧٤)، سنن ابن ماجہ: (٣٦٦٠)۔

[6]- صحیح مسلم (١٦٣١)۔

عمل گنوائے ہیں۔ مختلف مواقع پر آپ نے اور بھی جتنے اس طرح کے عمل بتائے ہیں، وہ انھی تین اعمال کے تحت آتے ہیں۔[7]

دورِ جاہلیت میں لڑکی کی پیدائش کو نہایت مکروہ سمجھا جاتا تھا، یہاں تک کہ اسے زندہ در گور بھی کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام چوں کہ دینِ رحمت ہے، اسی لیے جب ہم احادیثِ مبارکہ کا رخ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بیٹیوں کی پرورش پر جنت کی نوید سنائی گئی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میرے پاس ایک عورت آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ اس نے مجھ سے سوال کیا، میرے پاس ایک کھجور کے سوا اس وقت کچھ نہ تھا، میں نے (اسے) وہی دے دی۔ وہ ایک کھجور اس نے اپنی دو بچیوں میں تقسیم کر دی اور خود نہیں کھائی۔ پھر وہ اٹھی اور چلی گئی۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس کا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ البَنَاتِ بِشَيْءٍ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ) جس نے ان بچیوں کی وجہ سے خود کو معمولی سی بھی تکلیف میں ڈالا تو بچیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔[8]

اسی طرح بیٹیوں کی پرورش کرنے پر نبی اکرم ﷺ نے ایک نویدِ جاں فزا سنائی ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ» وَضَمَّ أَصَابِعَهُ). جس شخص نے دو لڑکیوں کی ان کے بالغ ہو جانے تک پرورش کی، تو قیامت کے دن وہ اور میں اس طرح آئیں گے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔[9]

7۔ صحیح مسلم (اردو) (3/۳۹۸-۳۹۹)۔
8۔ صحیح بخاري: (۱۴۱۸)، صحیح مسلم (۲۶۲۹)۔
9۔ صحیح مسلم (۲۶۳۱)۔

علامہ ابنِ عثیمین رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں یوں رقم طراز ہیں: ''حدیث کا معنی یہ ہے کہ ایسا شخص جنت میں رسول اللہ ﷺ کا رفیق ہوگا جب وہ لڑکیوں کی پرورش کرے گا۔ یعنی دو بیٹیوں یا بہنوں وغیرہ (کی پرورش کرے گا) تو وہ جنت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہوگا۔'' [10]

اسی طرح سنن ابی داؤد کی حدیث مبارک میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ، وَزَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّة) جس شخص نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، انھیں (حسنِ معاشرت کا) ادب سکھایا، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ احسان معاملہ کرتا رہا، تو اس کے لیے جنت ہے۔ [11]

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات بالکل بے غبار ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ تربیت اولاد کا ثمرہ انسان کو دنیا میں بھی بچوں کی فرماں برداری اور اطاعت شعاری کی صورت میں ملتا ہے اور آخرت میں بھی درجات کی بلندی اور جنت میں داخلے کی صورت میں ملتا ہے۔

[10]- شرح صحیح مسلم لابن عثیمین: (۴۷۵/۷)۔

[11]- رواه أبو داود (۵۱۴۷)۔

بابِ اول

اسلاف میں سے چند قائد ماؤں کا نفیس تذکرہ

ذیل کی سطور میں ہم اپنے اسلاف کرام میں سے چند ایسی بزرگ خواتین کا تذکرہ صفحۂ قرطاس کی رونق بنانے جارہے ہیں، جن کی علمی اور بصیرت افروز تربیت کے نتیجے میں آسمانِ علمِ دین کے چمکتے ستارے عالمِ وجود میں آئے، جو آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ علمی دنیا میں جگمگا رہے ہیں۔

انس بن مالک کی ماں

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ کسی نے سہلہ، کسی نے رمیلہ، کسی نے رمیثہ، کسی نے ملیکہ، غمیصاء اور رمیصاء بھی لکھا ہے۔[12]

جناب اسحاق بن عبد اللہ اپنی دادی سیدہ ام سلیم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں اور انس رضی اللہ عنہ کا والد (مالک بن نضر) غائب تھا۔ جب وہ آگیا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: کیا تو بے دین ہو گئی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: میں بے دین نہیں ہوئی ہوں، میں تو اس آدمی (محمد رسول اللہ ﷺ) پر لائی ہوں۔ پھر انھوں نے اپنے بیٹے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو تلقین کرنا شروع کر دیا کہ بیٹا! تم (لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کہا کرو۔ مالک نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اس نے غصے سے اپنی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: میرے بیٹے کو خراب نہ کرو۔ انھوں نے کہا: میں اسے خراب نہیں کر رہی، بلکہ اس کی اصلاح کر رہی ہوں۔

وہ ناراض ہو کر ملکِ شام کی طرف نکل گیا۔ وہاں کسی نے اسے قتل کر دیا۔ جب ام سلیم کو اس کے قتل کی خبر پہنچی تو انھوں نے کہا: (لا جرم) بے شک۔ مطلب تھا کہ اب میں پوری دل لگی سے بیٹے کی پرورش اسلامی طرز پر کروں گی۔ (۱) انھوں نے مزید کہا: جب تک (میرا بیٹا) انس بالغ نہیں ہو جاتا میں کسی سے شادی نہیں کروں گی۔[13]

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نہایت عقل مند خاتون تھیں۔ انھوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی بڑے ہی احسن انداز میں تربیت فرمائی، اسی لیے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شاگردوں میں سرِ فہرست سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے۔

---

[12] اسد الغابہ (اردو) (۹۸۸/۶)۔

[13] الطبقات الکبریٰ: (۴۲۵/۸)۔

آپ رضی اللہ عنہا کو اپنے لختِ جگر کی تربیت کی نہایت تڑپ تھی، جس کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جس میں مذکور ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہا نے سیدنا انس کو علم و ادب سیکھنے اور اچھی تربیت پانے کے لیے، نبی ﷺ کی خدمت میں زندگی بھر کے لیے بطورِ خادم پیش کیا۔(۲)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں، انھوں نے اپنی آدھی اوڑھنی سے میری کمر پر چادر باندھ دی تھی اور آدھی میرے شانوں پر ڈال دی تھی۔ انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ اُنَیس (انس کی تصغیر) ہے، میرا بیٹا ہے، میں اسے آپ کے پاس لائی ہوں تاکہ یہ آپ کی خدمت کرے۔ آپ اس کے لیے اللہ سے دعا کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اللهم أكثر ماله وولده) اے اللہ! اس کے مال اور اولاد کو زیادہ کر دے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میرا مال بہت زیادہ ہے اور آج میری اولاد اور اولاد کی اولاد کی گنتی سو کے لگ بھگ ہے۔[14]

اسی طرح سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ (ہمارے گھر کے قریب سے) گزرے، میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی آواز سنی، تو انھوں نے کہا: (بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ أُنَيْسٌ، فَدَعَا لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثَلَاثَ دَعَوَات قَدْ رَأَيْتُ مِنْهَا اثْنَتَيْنِ فِي الدُّنْيَا، وَأَنَا أَرْجُو الثَّالِثَةَ فِي الْآخِرَةِ.) یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ اُنیس ہے، اس کے لیے دعا فرمایئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے تین دعائیں کیں، جن میں سے دو دعاؤں (کی قبولیت) کو میں نے دنیا میں دیکھ لیا ہے اور تیسری (کی قبولیت) کے متعلق میں آخرت میں امید رکھتا ہوں۔[15]

---

[14] صحیح مسلم (۲۴۸۱)۔

[15] صحیح مسلم (۲۴۸۱)۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہر پیار کرنے والی ماں کی طرح اپنے بیٹے کے حق میں دعا کرانے کا کوئی موقع جانے نہیں دیتی تھیں۔ ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے انس رضی اللہ عنہ کے لیے دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی کی دعا کی۔ آپ نے ہر بار ان کے مال اور اولاد میں برکت کی دعا فرمائی۔ یہ دونوں دعائیں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں پوری ہوئیں، اس وجہ سے انھیں مزید یقین ہو گیا کہ آخرت کی دعا بھی پوری ہو کر رہے گی۔[16]

یہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ آگے چل کر ایک عظیم علمی ہستی اور اتباعِ نبی ﷺ کا پیکر بن گئے۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کی تربیت کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کے راز کی حفاظت اور اس کو افشا نہ کرنے کی نصیحت و تلقین بھی فرمائی۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، کہا: آپ ﷺ نے ہم سب کو سلام کیا اور مجھے کسی کام کے لیے بھیج دیا، تو میں اپنی والدہ کے پاس تاخیر سے پہنچا۔ جب میں آیا تو والدہ نے پوچھا: ''تمھیں دیر کیوں ہوئی؟ میں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے کسی کام سے بھیجا تھا۔ انھوں نے پوچھا: آپ ﷺ کا وہ کام کیا تھا؟ میں نے کہا: میری والدہ نے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کا راز کسی پر افشا نہ کرنا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ثابت (شاگرد)! اگر میں کسی کو وہ راز بتاتا تو تمھیں (جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے طلب گار ہو) ضرور بتاتا۔[17]

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے رازدان صحابی بن گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ۲۲۸۶ احادیث بیان کی ہیں، جن میں ۱۸۰ صحیحین میں ہیں۔[18]

---

16 صحیح مسلم (اردو): (۶۴۰/۴)۔

17 صحیح مسلم: (۲۴۸۲)۔

18 سیر اعلام النبلاء: (۴۰۶/۳)۔

آپ رضی اللہ عنہ صرف علمی شخصیت کے ہی مالک نہیں تھے، بلکہ عمل اور اتباعِ سنت میں بھی یگانۂ روزگار تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (کسی خاص دور میں) فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ام سلیم کے بیٹے؛ انس (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ کوئی نہیں دیکھا۔[19]

اور جناب انس بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سفر اور حضر میں سب لوگوں سے زیادہ اچھی نماز پڑھنے والے تھے۔''[20](۳)

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پس سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی مکمل صحبت اختیار کی اور کامل طور پر آپ ﷺ کو ہجرت کے بعد سے وفات تک لازم پکڑا اور کئی مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا اور بیعتِ رضوان میں بھی شریک رہے۔''[21]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نہایت ہی خصالِ حمیدہ و صفاتِ جلیلہ سے متصف صحابی رسول اللہ ﷺ تھے۔ ''ایک دفعہ بارش نہیں ہو رہی تھی اور فصلوں کے لیے پانی کی سخت ضرورت تھی، پھر سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی تو فوراً بادل آ گئے اور خوب بارش ہوئی۔''[22]

یقیناً یہ سیدہ ام سلیم کی اپنے بیٹے کی تربیت کے بارے میں ان تھک محنت اور ہمہ پہلو جد وجہد کا ہی نتیجہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ جیسی بزرگ ہستی پروان چڑھی اور وہ رہتی دنیا تک آسمانِ علم میں ایک بارونق ستارے کی طرح چمکتے رہیں گے۔

---

[19] سیر اعلام النبلاء: (۳/۴۰۰)۔

[20]- سیر اعلام النبلاء: (۳/۳۹۷)۔

[21] ایضاً۔

[22] طبقات ابن سعد: (۷/۱۶)۔

(۱) فائدہ: اس ماں نے شریعتِ اسلامیہ کی تمام تر تعلیمات کے مطابق اپنے بیٹے کی تربیت کی، اور یہی ہر ماں کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھی اپنے بیٹوں کو عبادت، ادب اور اخلاق سکھائے اور اس کا عملی نمونہ پیش کرے۔

(۲) فائدہ: ماں نے اپنے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرنے اور آپ کی صحبت حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ کے حوالے کر دیا، تاکہ وہ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے مستفید ہو اور آپ ﷺ کے زیرِ سایہ تربیت پائے، پس ہر ماں کے لیے اپنے بچوں کے لیے اچھی صحبت کا انتخاب کرنا ضروری ہے۔

(۳) فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے یہاں نماز کا کس قدر اہتمام تھا، کہ وہ سفر ہو یا حضر، نماز میں جلد بازی سے کام نہیں لیتے تھے اور اس کے سنن وواجبات میں بالکل بھی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

امام مالکؒ کی ماں

امام مالک رحمہ اللہ کی والدہ کا نام عالیہ بنت ابن بکار شریک بن عبد الرحمن بن عبد الرحمن بن شریک الأزدیۃ ہے۔[23] امام مالک رحمہ اللہ نے بچپن میں ہی طلبِ حدیث کی ابتدا کی، کیوں کہ آپ کا گھرانہ خالص علمی اور دینی گھرانہ تھا، نیز احادیث کی روایت و درایت کا مدینے میں خاص اہتمام تھا۔

امام مالک جیسی عظیم شخصیت کے پروان چڑھنے میں ان کی والدہ صاحبہ کا خاص کردار ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا: ''میں بھی علم لکھنے (حاصل کرنے) جاؤں گا۔'' انھوں نے کہا: ''آؤ میں تمھیں علمِ دین کا لباس پہنا دوں۔'' چنانچہ انھوں نے مجھے اونچے کپڑے پہنائے اور سر پر سیاہ لمبی ٹوپی رکھ کر اوپر سے عمامہ باندھا اور کہا: ''جاؤ اور اب (حدیث) لکھو۔'' (۱) اور امام صاحب رحمہ اللہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ میری والدہ مجھے عمامہ پہناتی تھیں اور پھر مجھ سے کہتی تھیں: ''ربیعہ کے پاس جاؤ اور ان کے پاس علم کے حصول سے پہلے ادب سیکھو۔''[24] (۲)

یقیناً یہ اس عظیم ماں کی شان دار تربیت اور مکمل توجہ و عنایت کا ثمر ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ باغِ علم کے ایک شجرِ سایہ دار بن گئے۔ آگے چل کر امام مالک رحمہ اللہ کتنے جلیل القدر اور متبحر امام بن گئے اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل اقوال سے لگایا جاسکتا ہے: امام ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے علم حاصل کرنے میں امام مالک رحمہ اللہ سے زیادہ سخی (فراخ دل) کسی کو نہیں دیکھا۔''[25] امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' میں کسی بھی شخص کو (جو) نقدِ رواۃ میں امام مالک کے مرتبے والا (ہو) نہیں جانتا۔''[26] یحیٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مالک سب سے

---

[23] ترتیب المدارک وتقریب المسالک: (۱/ ۱۳۰)۔

[24] ترتیب المدارک وتقریب المسالک (۱/ ۱۳۰)۔

[25] ۔ترتیب المدارک وتقریب المسالک (۱/ ۱۳۸)۔

[26] ایضاً۔

زیادہ صحیح حدیث بیان کرنے والے ہیں۔(یعنی اوزاعی، سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کی بنسبت)[27] بلاشبہ امام مالک رحمہ اللہ جلیل القدر امام حدیث ہیں اور حدیث و آثار کے عظیم سنگ بنیاد ''موطا'' کے مؤلف بھی ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

امام مالک صاحبِ بصیرت امام بھی تھے۔ چھوٹی عمر میں ہی کمال کا علم و بصیرت اللہ تعالی نے انھیں عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ صفوان بن سلیم جو کہ امام مالک کے جلیل القدر، فاضل اور ناقد شیخ تھے، انھوں نے (اپنے شاگرد امام مالک) سے ایک خواب کی تعبیر دریافت کی، جب کہ مالک اک چھوٹی عمر کے لڑکے تھے۔ شاگرد نے عرض کیا: ''آپ جیسے بزرگ مجھ سے کوئی بات پوچھیں! (یہ تو عجیب بات ہے۔)''استاد نے کہا: ''اے میرے بھتیجے! اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آئینہ دیکھ رہا ہوں۔''امام مالک نے فوراً عرض کیا: '' (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) آپ اپنی آخرت سنوار رہے ہیں اور اپنے رب کی قربت کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔''تو جناب صفوان (استاد) نے (خوش ہو کر) فرمایا:(أنت اليوم مويلك، ولئن بقيت؛ لتكونن مالكاً. اتق الله يا مالك إذا كنت مالك، وإلا فأنت هالك.)''آج تم مویلک (چھوٹے مالک) ہو، اگر زندہ رہے تو مالک بن جاؤ گے، اے مالک! جب تم مالک (بڑے ہو کر) بن جاؤ گے، تو اللہ سے ڈرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔''[28]

(۱) فائدہ: اس ماں نے اپنے بیٹے کو خوب صورت لباس پہنایا اور عمامہ باندھا تاکہ وہ طلبِ علم کے لیے اچھی طرح تیار ہو جائے۔ ایک استاذ کہتے ہیں: جب بچہ اچھی طرح تیار ہو کر اسکول آتا ہے تو اس کے لیے ہمارے دل میں احترام بڑھ جاتا ہے، مہمل طالب علم کے برعکس، جو بغیر تیاری کے کلاس روم آجاتا ہو۔

(۲) فائدہ: غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ماں نے اپنے بیٹے کو شیخ سے علم سیکھنے سے پہلے، ادب سیکھنے کی تلقین کی۔

---

[27] ایضاً: (۱/۱۵۵)۔

[28]- ترتیب المدارک و تقریب المسالک (۱/ ۱۴۴-۱۴۵)۔

امام احمدؒ کی ماں

امام احمد رحمہ اللہ کی والدہ صاحبہ کا نام صفیہ بنت میمونہ بن عبد المالک الشیبانی تھا۔[29] امام صاحب رحمہ اللہ اصلاً مرو کے ہیں۔ لیکن امام صاحب کے والد کسی وجہ سے مرو سے ترکِ وطن کر کے ۱۶۴ھ کے حدود میں بغداد چلے آئے۔ اس وقت امام صاحب شکمِ مادر میں تھے۔ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں بغداد میں آپ کی پیدائش ہوئی، جیسا کہ آپ کا خود کا بیان ہے۔ بغداد آنے کے بعد جلد ہی آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے بیٹے صالح فرماتے ہیں: امام صاحب شکم مادر میں ہی تھے کہ ان کو مرو لایا گیا اور آپ کے والد تیس سال کی عمر میں فوت ہوئے اور آپ کی والدہ نے آپ کی تربیت و پرورش کی ذمہ داری سنبھالی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے والد صاحب کی عمر ان کی وفات کے وقت تیس سال تھی، جب کہ امام احمد رحمہ اللہ ابھی بچے ہی تھے۔"[30]

ماں نے اپنے اس یتیم بچے کو بڑے اہتمام سے تعلیم و تربیت دی، بچہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ نہایت سعادت مندی اور احترام کے ساتھ پیش آتا تھا۔ امام صاحب کہتے ہیں: "اگر میرے پاس پچاس درہم ہوتے تو میں شہرِ رے کی طرف (محدث) جریر بن عبد الحمیدؒ کے پاس جاتا۔ چنانچہ ہمارے بعض ساتھی نکلے لیکن (مفلوک الحالی کے سبب) میں نہ نکل سکا۔"[31] اسی طرح امام صاحب جب صبح کو اندھیرے میں کسی محدث کے یہاں جانا چاہتے تھے تو والدہ حد درجہ شفقت کے سبب جانے نہیں دیتی تھیں۔ خود امام صاحب بیان کرتے ہیں: "بسا اوقات میں صبح صبح (اندھیرے میں ہی) حدیث پڑھنے کے لیے جانے کا ارادہ کرتا تھا، مگر والدہ میرے کپڑے پکڑ کر کہتی تھیں کہ صبح ہو جانے دو۔ اور کبھی کبھار میں (اندھیرے میں ہی) صبح صبح ابو بکر بن عیاشؒ وغیرہ کی مجلس میں جاتا تھا۔" (۱)[32]

---

[29] مناقب الإمام أحمد: (۲۱)۔

[30] ایضاً: (۱۴)۔

[31] ایضاً: (۳۰)۔

[32] - مناقب الإمام أحمد: (۳۱)۔

امام صاحب بچپن سے ہی مکتب میں تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔اسی زمانے میں ان کی شرافت، نیک نفسی اور بزرگی کا اعتراف کیا گیا۔ چنانچہ ابو بکر المروزی کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو رغیف نے (اس وقت) کہا (جب) امام احمد بن حنبل کا ذکر کیا گیا: احمد بن حنبل مکتب میں ہمارے ساتھ تھے جب کہ وہ بہت چھوٹے تھے اور ہم (طلبہ) ان کی بزرگی سے واقف تھے۔[33]

اس زمانے میں خلیفہ مقام رقہ میں تھا اور بغداد کے اشراف لوگ وہاں اس کے ساتھ مقیم تھے، وہ لوگ اپنے گھروں کو خط لکھتے تھے، ان کی عورتیں مکتب کے معلم کے یہاں کہلا بھیجتی تھیں کہ احمد بن حنبل کو بھیج دو تا کہ وہ ہمارے خطوط کے جواب لکھ دیں۔ وہ سر نیچا کر کے گھروں میں جاتے تھے اور ان کے خطوط لکھتے تھے۔ بعض اوقات کوئی نامناسب بات ہوتی تو اس کو نہیں لکھتے تھے۔ایک مرتبہ ایک امیر نے امام صاحب کے چچا کو خط لکھا اور انھوں نے جواب لکھ کر ان کو یہ کہہ کر دے دیا کہ قاصد آئے تو یہ خط اس کو دے دینا، قاصد نے جواب کا تقاضا کیا تو چچا نے کہا: میں نے جواب لکھ کر احمد کو دے دیا تھا، اس نے تم کو دیا ہوگا۔ پھر امام صاحب کو بلا کر دریافت کیا تو امام صاحب نے کہا کہ اس میں فلاں بات نامناسب تھی، اس لیے میں نے اس کو طاق پر رکھ دیا۔

خلیفہ کے قیامِ رقہ کے زمانے میں داؤد بن بسطام نے امام صاحب کے چچا کو لکھا کہ آج کل بغداد کی خبر نہیں مل رہی ہے۔ میں خلیفہ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چچا نے داؤد بن بسطام کا جواب لکھ کر امام صاحب کو دے دیا۔ جب ان کو بلا کر معلوم کیا تو بتایا کہ میں ایسی خبروں کو وہاں پہنچاؤں گا؟ میں نے وہ خط پانی میں ڈال دیا ہے۔ جب ابن بسطام کو اس کی خبر ملی تو کہنے لگا: ''یہ لڑکا متقی بنے گا تو ہم کیا کریں گے؟''[34]

امام احمد رحمہ اللہ کی والدہ کی خصوصی عنایت ان کے تابناک مستقبل کے لیے نہایت ہی معاون ثابت ہوئی۔ امام احمد کو لوگ قیامت تک امام اہل السنۃ کے نام سے یاد کرتے رہیں گے۔ان کی جملہ خوبیوں کو ہم امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول میں دیکھ سکتے ہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (أَحْمَد إمام فِي ثمان خصال: إمام فِي الحديث،

---

[33] مناقب الامام احمد: (۲۲)۔

[34]- مناقب الِامام أحمد: (۲۲-۲۴)۔

إمام فِي الفقه، إمام فِي اللغة، إمام فِي القرآن، إمام فِي الفقر، إمام فِي الزهد، إمام فِي الورع، إمام فِي السنة.)[35] **امام احمد رحمہ اللہ آٹھ (چیزوں) خصلتوں میں امام ہیں: ۱۔ حدیث میں امام ہیں۔ ۲۔ فقہ میں امام، ۳۔ لغت میں امام، ۴۔ قرآن میں امام، ۵۔ فقر و فاقہ میں امام، ۶۔ زہد میں امام، ۷۔ ورع و تقویٰ میں امام اور ۸۔ سنت میں امام ہیں۔ فرحمۃ اللہ علیہ۔**

یقیناً اگر دورِ حاضر کی مائیں بھی اسلاف کی بزرگ ماؤں کی طرح، اپنی اولاد کی تربیت احسن انداز میں کریں گی تو آج بھی علم وادب کے اجلاء علماء وفضلاء کا پیدا ہونا کوئی بعید بات نہیں ہے۔

(۱) فائدہ: مستفاد ہوتا ہے کہ یہ ماں کس طرح اندھیرے کے ڈر سے اپنے چھوٹے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر طلبِ علم کی راہ میں لے جایا کرتی تھیں اور پھر اسے واپس گھر بھی لاتی تھیں۔

[35] ۔طبقات الحنابلة: (۵/۱)۔

امام شافعیؒ کی ماں

امام شافعی رحمہ اللہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب تھا۔[36] امام صاحب کا بیان ہے کہ میں ۱۵۰ھ میں ملک شام کے شہر غزہ میں پیدا ہوا، اور دو سال کی عمر میں مکہ لایا گیا۔[37] نیز امام شافعی کی والدہ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں شافعی میرے بطن میں تھے میں نے خواب دیکھا کہ مشتری ستارہ میرے جسم سے نکلا اور مصر میں گرا، جس کی روشنی ہر شہر میں پہنچی۔ معبروں نے بتایا کہ ان کے بطن سے ایک عالم پیدا ہوگا، جس کا علم مصر سے تمام شہروں میں عام ہوگا۔[38]

امام شافعی کی والدہ محترمہ نہایت ہی ذہین، فطین اور صاحب حذق تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کو مکہ میں لائیں تاکہ وہ وہاں پر قرآن وسنت کے چشمۂ صافی سے سیراب ہو سکیں۔ (۱)

امام شافعی جیسے محسن عالم کے پیچھے یقیناً ان کی والدہ کا کردار مضمر ہے۔ چوں کہ امام صاحب کے والد محترم آپ کے بچپن میں ہی فوت ہو چکے تھے، لہٰذا عالی ہمت والدہ نے ان کی تربیت کے لیے کمر کسی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام صاحب رحمہ اللہ امت مسلمہ کے ان عظیم محسنوں کے زمرے میں اپنا نام درج کر گئے، جن کی محنت کے پھل سے امت آج تک خوشہ چینی کر رہی ہے۔ بچپن میں جب امام شافعی رحمہ اللہ شفقت پدری سے محروم ہو گئے، تو یمن سے والدہ انھیں مکہ مکرمہ لے آئیں۔ یہاں تعلیم کا آغاز کیا۔ یتیمی اور مفلوک الحالی کے سبب امام شافعیؒ کے پاس تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کی طاقت بھی نہ تھی، اللہ کا کرنا کہ انھیں استاذ بہت اچھے مل گئے۔ وہ خود فرماتے ہیں: ''میں اپنی والدہ کی پرورش میں یتیمی کی زندگی گزار رہا تھا، والدہ کے پاس میرے معلم کو دینے کے لیے کچھ نہ تھا، معلم اس

---

[36] تہذیب التہذیب: (۲۹/۹)۔

[37] تہذیب التہذیب: (۲۶/۹)، وتاریخ بغداد: (۵۷/۲)۔ یہی روایت زیادہ مشہور ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں عسقلان میں پیدا ہوا اور دو سال کا ہوا تو میری والدہ مجھے لے کر مکہ آئیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ میں یمن میں پیدا ہوا، والدہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں میرا نسب یمن میں ضائع نہ ہو جائے اس لیے دس سال کی عمر میں مجھے مکہ لے آئیں۔

[38] تہذیب التہذیب: (۲۶/۹)۔

بات پر راضی ہو گیا کہ میں ان کی عدم موجودگی میں بچوں کی نگرانی کروں گا اور ان (کے کام میں) تخفیف کروں گا۔"[39]

لکھنے کو کاغذ میسر نہیں تھا،ایک تھیلا پاس رکھا تھا، صاف قسم کی ہڈی تلاش کرتے اور اس پر لکھتے، جب وہ پُر ہو جاتی تو اس کو تھیلے میں محفوظ کر لیتے۔ رات کی روشنی میں چراغ کا انتظام ان کی طاقت سے باہر تھا، سرکاری دیوان چلے جاتے اور وہاں کی روشنی میں لکھتے۔[40]

امام صاحب نے مکہ مکرمہ میں مکتب سے تعلیم کی ابتدا کی،اس کے بعد مدینہ منورہ میں علم حاصل کیا۔ مکہ ہی میں تیر اندازی، شہ سواری کے ساتھ مکتبی تعلیم کے بعد قبیلہٗ بنی ہذیل میں رہ کر عربیت اور اشعارِ عرب میں مہارت حاصل کی۔ اسی کے ساتھ اپنے چچا محمد بن شافع اور مسلم بن خالد زنجی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔[41] امام شافعی رحمہ اللہ خود بیان فرماتے ہیں: "میں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور دس سال کی عمر میں مؤطا حفظ کی۔"[42]

مفلوک الحالی اور انتہائی غربت کے باوجود امام صاحب کی والدہ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنی پوری توجہ صرف کی اور نتیجتاً امام شافعی رحمہ اللہ جلیل القدر امام، عظیم فقیہ، فصیح و بلیغ شاعر اور ماہر زبان دان کرابھرے۔ یقیناً اس ساری فضیلت کا سہرہ ان کی والدہ کے سر جاتا ہے، فرحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی فضیلت اور تبحر علمی کو واضح کرنے کے لیے امام اہل السنۃ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول کافی ہے: "جو کچھ بھی تم یہ (علم واخلاق وادب) دیکھتے ہو، یہ سب یا اس کا اکثر حصہ امام شافعی رحمہ اللہ ہی سے

---

[39]- سیر اعلام النبلاء: (۱۰/۱۱)۔

[40] سیر اعلام النبلاء: (۱۰/۱۱)، وتاریخ بغداد: (۲/۵۷)۔

[41] سیرت ائمہ اربعہ: (۱۴۳)۔

[42]- تہذیب التہذیب (۹/۲۷)۔

(مجھے ملا) ہے اور تیس سالوں میں میں نے کوئی بھی ایسی رات نہ گزاری ہوگی، جس میں میں نے ان کے لیے دعا اور استغفار نہ کیا ہو۔''[43]

اللہ تعالیٰ امام شافعی اور ان کی والدہ پر اپنی رحمت و مغفرت کی بارش برسائے۔ آمین۔

(۱) فائدہ: اپنے شوہر کی وفات کے بعد یہ ماں مکہ منتقل ہو گئی، تاکہ وہاں اس کا بیٹا اچھی تعلیم پا سکے اور قرآن و سنت کے چشمۂ صافی سے سیراب ہو سکے۔ اپنے وطن سے تعلیم و تربیت کے لیے مناسب مقامات کی طرف ہجرت کر جانا (اللہ کی توفیق کے بعد) بچوں کی صالحیت کا ایک بڑا سبب ہے۔

[43] - تہذیب التہذیب: (۹/۲۷)۔

امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی ماں

امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی والدہ کا نام ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن الخطاب تھا۔ وہ اپنے دور کی عظیم الشان خاتون تھیں۔ نیکی و پاک بازی میں سب سے آگے تھیں۔ حلیم الطبع، پاک طینت، عالمۂ حدیث اور نہایت اونچے مرتبے کی عورت تھیں۔ بہت بڑی محدثہ اور فقیہہ تھیں۔

ان کے شوہر نامدار عبد العزیز بن مروان مصر کے گورنر تھے۔ جب ۶۳ ھ میں عمر بن عبد العزیز پیدا ہوئے[44] تو ام عاصم مدینہ منورہ میں تھیں۔ جب وہ بڑے ہوئے تو عبد العزیز بن مروان نے اپنی بیوی کو خط لکھا کہ بچے کو لے کر مصر آجائیں۔ وہ اپنے چچا سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں اور اپنے شوہر کے خط کی اطلاع دی۔ انھوں نے فرمایا: تم چلی جاؤ، لیکن اس بچے کو یہیں رہنے دو، کیوں کہ ہم بہتر طریقے سے اس کی تعلیم و تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہ مصر پہنچی تو بچہ یعنی عمر ان کے ساتھ نہ تھا۔ ان کے شوہر عبد العزیز بن مروان نے ان کو بغیر بچے کے دیکھا تو پریشانی کے عالم میں پوچھا: ''عمر کہاں ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: میرے چچا سیدنا عبد اللہ بن عمر نے اس کو اپنے پاس رکھا لیا ہے، تاکہ بہتر انداز سے ان کی نگرانی میں اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے۔ اس سے عبد العزیز بن مروان بہت خوش ہوئے اور فرمایا: تم نے بہت اچھا کیا۔ یہاں کی بنسبت وہاں (مدینہ منورہ میں) اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام زیادہ اچھا اور عمدہ ہو سکے گا۔

ام عاصم، امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔ خاندانی اور ذاتی اعتبار سے ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ یہی وہ نیک بخت خاتون ہیں جن کو آگے چل کر خلیفۂ راشد جناب عمر بن عبد العزیز کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ راویۂ حدیث بھی تھیں۔ انھوں نے اپنے باپ عاصم سے حدیث کی روایت و سماع کیا۔ پھر آگے ان کے تلامذہ کا

---

[44] ۔سیر اعلام النبلاء: (۵/۱۱۵)۔

بھی حلقہ پیدا ہوا، جس میں خود ان کے عظیم القدر بیٹے جناب عمر بن عبد العزیز بھی شامل ہیں، جو ۳۹ سال کی عمر میں ۲۵ رجب ۱۰۱ھ کو فوت ہوئے۔ (۱)

ام عاصم نہایت بلند اخلاق اور ہم دردِ خلائق خاتون تھیں۔ منقول ہے کہ ان کی ذات سے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچی۔ وہ سب کی خیر خواہ تھیں۔ میل جول اور اخلاقی بلندی میں کوئی ان کا حریف نہ تھا، گفتار و کردار میں سب سے ممتاز تھیں، لوگوں کی مدد اور مستحقین و مساکین کا خیال رکھنا ان کا شیوہ تھا۔ جرات و بسالت میں بھی اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ ان کی رگوں میں خاندان فاروقی کا جو لہو دوڑ رہا تھا، اس کا اثر ان کے ہر عمل اور ہر قول میں نمایاں تھا۔ (۲)

ان کی وفات اپنے شوہر عبد العزیز بن مروان کے پاس ہوئی۔ یہ وہ خاتون ہیں جن کا ننھیال بھی بلند مرتبت تھا۔ شوہر بھی بڑے عز و شان کے مالک تھے اور لوگوں میں ان کو خاص قدر و منزلت حاصل تھی۔ پھر اللہ نے ان کو جو بیٹا (عمر) عطا فرمایا، وہ بھی عدیم النظیر صلاحیتوں کا حامل تھا۔ علاوہ ازیں یہ ذاتی طور پر بھی تقویٰ و طہارت کا مجسمہ تھیں اور کوئی ان کی ہم سری کا دعوی نہیں کر سکتا تھا۔ اس حیثیت سے یہ خاتون بہت خوش بخت تھیں، جو اللہ کے گونا گوں انعامات کی مستحق قرار پائیں۔[45]

قارئین کرام! آپ کا اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت محدثہ اور حاذقہ و عالمہ خاتون کے متعلق اس کے علاوہ اور کیا گمان ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کی تربیت بڑے ہی عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں کی ہو گی۔ اپنے چہیتے بیٹے کی جدائی برداشت کر کے ان کو سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تربیت میں چھوڑنا وہ بھی طویل مدت کے لیے، یقیناً ایک عالی ہمت خاتون کا ہی کردار و شیوہ ہو سکتا ہے۔ یقیناً عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی عظیم الشان شخصیت کی تعمیر میں ان کی والدہ محترمہ کا نمایاں کردار موجود ہے۔

---

[45] اسلام کی بیٹیاں: (۴۲۹-۴۳۱)۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کیسی شخصیت کے حامل تھے، اس کا خلاصہ ہم مندرجۂ ذیل سطور میں ائمۂ عظام کے اقوال کی روشنی میں بیان کریں گے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (وكان من أئمة الاجتهاد ، ومن الخلفاء الراشدين. رحمة الله عليه.)[46] "وہ مجتہد امام اور ہدایت یافتہ خلفاء میں سے تھے۔ ان پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔" ابن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (وكان ثقة مأمونا، له فقه وعلم وورع، وروى حديثا كثيرا، وكان إمام عدل. رحمه الله ورضي عنه.)[47] "آپ ثقہ، پرامن تھے۔ آپ سمجھ بوجھ، علم اور تقوے (کے مالک) تھے۔ بہت حدیثیں روایت کیں، اور آپ عدل کرنے والے حکمران تھے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو۔" عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی پرہیز گاری، تقویٰ، ورع اور زہد کے واقعات مشہور ہیں۔ آپ کے والدِ محترم اور والدہ محترمہ دونوں نے ان کے اخلاق، علم وادب کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کیا۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

قصہ ام عاصم کی نانی کا:

یہاں یہ بات عرض کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ ام عاصم کی نانی کے متعلق ایک واقعہ زبان زدِ عام ہے۔ لہٰذا ہم بھی اس واقعے کو یہاں بہ طور فائدہ نقل کر رہے ہیں اور اخیر میں محدثین کرام کا اس پر کلام بھی نقل کریں گے۔ واقعہ کچھ یوں ہے:

اسلم بیان کرتے ہیں: میں مدینہ میں مدینے کی گلیوں میں گشت کے دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ جب وہ انتہائی تھک گئے، تو رات کے ایک حصے میں دیوار سے ٹیک لگا کر آرام فرمانے لگے، ایک خاتون اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی: اے میری بیٹی! اٹھ کر ذرا دودھ میں پانی ملا دے۔ بیٹی نے کہا: امی جان! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المؤمنین نے آج کس قدر تاکید فرمائی ہے؟ ماں نے کہا: انھوں نے کس بات کی تاکید فرمائی ہے بیٹی؟ بیٹی نے کہا: انھوں نے منادی کو حکم دیا اور اس منادی نے یہ اعلان کیا کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے، ملاوٹ نہ کی جائے۔ ماں نے کہا: اے بیٹی! اٹھ اور دودھ میں پانی ملا دے، تو ایسی جگہ ہے جہاں تجھے نہ عمر رضی اللہ عنہ دیکھ پائیں گے اور نہ ان کا منادی۔ بچی

---

[46]- سیر اعلام النبلاء: (۱۱۴/۵)۔

[47]- طبقات ابن سعد: (۳۲۰/۵)۔

نے اپنی ماں سے کہا: امی جان! میں ایسی نہیں کہ جلوت میں ان کی اطاعت کروں اور خلوت میں ان کی نافرمانی۔ عمر رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ سن رہے تھے۔ فرمایا: اے اسلم! اس دروازے کو خوب یاد رکھو اور اس جگہ کو پہچان لو۔ پھر آپ اپنے گشت کے لیے چل دیے۔ جب صبح ہوئی تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اسلم! اس مقام پر جاؤ اور دیکھو کہنے والی کون تھی اور کس سے کہہ رہی تھی اور یہ کہ کیا ان کے یہاں کوئی مرد ہے؟

اسلم کہتے ہیں: میں اس جگہ پہنچا تو لڑکی غیر شادی شدہ تھی اور یہ اس کی ماں تھی، جس کا شوہر نہ تھا (وہ بیوہ یا طلاق یافتہ تھی)۔ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں اس کی خبر دی، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو بلا بھیجا اور انھیں اکٹھا کیا اور کہا: تم میں سے کوئی (نیک) عورت سے نکاح کا خواہش مند ہے؟ (وہ عورت اس قدر نیک ہے کہ) اگر تمھارے والد کو نکاح کی ضرورت ہوتی تو تم میں سے کوئی اس لڑکی کی طرف سبقت نہ لے جاتا۔ یہ سن کر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری تو بیوی ہے۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا کہ میری بھی بیوی ہے۔ عاصم نے کہا: اے ابا جان! میری بیوی نہیں، پس میری شادی کروا دیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کی طرف پیغام نکاح بھیجا اور اپنے بیٹے عاصم سے اس کی شادی کرا دی۔ اس سے عاصم کی ایک بیٹی پیدا ہوئی اور اس بیٹی کے ہاں بھی ایک بیٹی ہوئی، اور اس بیٹی کے ہاں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔ (یعنی وہ عمر بن عبدالعزیز کی والدہ کی نانی تھیں)۔ [یہ روایت منکر ہے۔]

تخریج: آجری نے اخبار عمر بن عبدالعزیز (۴۸-۴۹) میں ''مُحمَّد بن عبد الله بن عبد الحكم بن أعين قَالَ: أَخْبرِنِي أبي قَالَ حَدثنَا عبد الله بن زيد بن أسلم عَن أَبِيه عَن جده أسلم'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں عبداللہ بن زید بن اسلم ہے، جسے ابن معین، ابن المدینی، جوزجانی، ابو زرعہ اور ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن عدی نے فرمایا: اس کے ضعف کے باوجود اس کی حدیث لکھی جائے۔ نسائی نے فرمایا: یہ قوی نہیں۔ ابن حبان نے فرمایا: نیک شخص تھا، بہت زیادہ غلطیاں کرنے والا اور وہم کا شکار تھا۔ ثقہ راویوں سے ایسی ایسی باتیں بیان کرتا کہ فن حدیث کا مبتدی بھی انھیں سنتا تو ان کے من گھڑت ہونے کی

گواہی دیتا۔ اس کے علاوہ حدیث کے دوسرے راوی عبداللہ بن عبدالحکم بن اعین پر ابن معین نے اخبار عمر بن عبد العزیز کی وجہ سے انکار فرمایا ہے۔

حوالے: دیکھیے الضعفاء لابن الجوزي (۱۲۳/۲)، تهذيب الكمال (۵۳۵/۱۴)، تهذيب التهذيب (۱۹۵/۵، ۲۵۳) اور تقريب التهذيب (۳۱۰،۳۰۴)، **اور اسی سند سے ابن الجوزی نے یہ قصہ** تاريخ عمر بن الخطاب (۱۰۳) **میں روایت کیا ہے**[48]۔

(۱) فائدہ: ماں نیک ہو گی تو بچے بھی نیک ہوں گے۔

(۲) فائدہ: اچھے اخلاق، رحم دلی، خیر خواہی اور صدقے جیسی چیزوں کا اثر بچوں کے رویوں پر بھی پڑتا ہے۔

48 مشہور واقعات کی حقیقت: (۱۳۴-۱۳۶)۔

امام بخاری کی ماںؒ

علم حدیث کے سرخیل، امام المحدثین، امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ بڑی عبادت گزار اور صالحہ خاتون تھیں۔ حدیث کے اس مشہور امام کا ابھی بچپن ہی تھا کہ ان کے والد اسماعیل بن ابراہیمؒ کا انتقال ہو گیا اور تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آ گئی۔ اُدھر اسی بچپن کے زمانے میں ہی امام بخاری رحمہ اللہ کی بینائی زائل ہو گئی، جس سے والدہ کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ بڑی عبادت گزار اور بزرگ خاتون تھیں، الحاح وزاری کے ساتھ انھوں نے بہت دعائیں کیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ (رات کو) خواب میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی، تو انھوں نے بشارت سنائی کہ تمھاری دعا کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالٰی نے تمھارے بیٹے کی بینائی لوٹا دی ہے۔[49]

ابو جعفر محمد ابن ابی حاتم الوراق النحوی بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری سے پوچھا: طلبِ حدیث کی ابتدا آپ نے کیسے کی؟ تو امام صاحب رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا: ابھی میں مکتب میں ہی تھا کہ حفظِ حدیث کا مجھے الہام ہوا۔ ابو جعفر نے پھر پوچھا: اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ تو امام صاحب نے فرمایا: دس سال یا اس سے بھی کم تھی۔ مکتب سے نکل کر محدث داخلی کے یہاں جانا شروع کیا۔ ایک دن وہ سند حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے: ''سفيان عن أبي الزبير عن إبراهيم'' میں نے ان سے کہا: جناب! ابو الزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے۔ انھوں نے مجھے جھڑکا۔ میں نے اصل کی جانب رجوع کرنے کے لیے کہا۔ گھر میں جا کر جب اصل دیکھ آئے تو کہنا لگے: ''لڑکے! پھر ابراہیم سے کون روایت کرتا ہے؟'' میں نے کہا: ''زبیر بن عدی بن ابراہیم''۔ تو استاد نے قلم

---

[49] دیکھیے: هدي الساري مقدمة فتح الباري: (۴۷۷-۴۷۸) وسیرۃ البخاري: (۵۲-۵۴)۔ [یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔ دیکھیے: مشہور واقعات کی حقیقت: (۱۸۷-۱۸۸)۔ ناشر: محمد یونس غانی راول پورہ، سری نگر، سن اشاعت: جولائی ۲۰۱۲ء]

لے کر اپنی کتاب کی تصحیح کی اور فرمایا: ’’تم نے ٹھیک کہا‘‘۔امام بخاری سے جب پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟فرمانے لگے: ’’گیارہ سال‘‘۔[50]

مذکورہ بالا اقتباسات کے علاوہ اس بات سے بھی امام بخاری کی والدہ محترمہ کی فضیلت، بلند ہمتی، عزیمت اور امام بخاری کی اچھی تربیت میں ان کی رغبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دس سال کی عمر تک انھیں مدرسے میں داخل کیے رکھا۔ابن ناصر الدین لکھتے ہیں کہ جب ان کے والد وفات پا گئے تو ابو عبد اللہ نے بحالتِ یتیمی اپنی ماں کی گود میں پرورش پائی۔ پھر ان کی ماں نے انھیں اہل مدرسہ کے سپرد کر دیا، حتی کہ ان کی عمر دس برس ہو گئی۔[51]

جب امام بخاری سولہ سال کے ہو گئے تو وہ انھیں اور ان کے بھائی احمد کو لے کر حج کو روانہ ہوئیں۔ پھر حج کے بعد وہ ان کے بھائی احمد کو لے کر واپس آ گئیں، جب کہ امام بخاری کو وہیں حدیث کی طلب میں چھوڑ آئیں[52]۔ (ا)

امام بخاری رحمہ اللہ جیسے آفتابِ علم و فن کے پیچھے بھی ان کی عظیم ماں کی لا متناہی جہود کار فرما ہیں۔ فرحمۃ اللہ علیہا۔ یقیناً شوہر کی وفات کے بعد انھوں نے اس امانت کو ضائع نہیں کیا، بلکہ اس کی لائق اور مہتم بالشان تعلیم و تربیت کا انتظام کر کے علم و فن کے اس دیے کو رہتی دنیا تک کے لیے روشن کر دیا۔

امام بخاری کے متبحر ہونے کا اندازہ ان کے اس قول سے باآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: (كتبت عن ألف شيخ وأكثر، وعن كل واحد منهم عشرة آلاف أو أكثر. ما عندي حديث إلا أذكر إسناده.) ’’میں نے ایک ہزار سے زائد شیوخ سے حدیث لکھی اور ان میں سے ہر کسی سے دس ہزار سے زائد احادیث میرے پاس ہیں۔ میرے پاس ایسی ایک حدیث بھی نہیں جس کی سند مجھے یاد نہ ہو)۔[53]

---

[50] تاریخ بغداد و ذیولہ ط العلمیۃ (۲/ ۷)۔

[51] تحفۃ الإخباري: (۱۸۰)۔

[52] تاریخ بغداد (۲/۷)، سیر اعلام النبلاء (۱۲/۳۹۳)۔

[53]۔ سیر اعلام النبلاء: (۱۲/۴۰۷)۔

بالآخر علم وفن کا یہ آفتاب ۲۵۶ھ میں غروب ہو گیا۔فرحمة الله عليه رحمةواسعة-

(۱)فائدہ:ماں نے اپنے بیٹے کو مکے میں چھوڑ کر ایک عظیم قربانی دی۔

امام سفیان ثوری کی ماںؒ

علم و عرفان کے بحرِ عمیق ابو عبد اللہ سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ کی والدہ ام سفیان بہت ہی نیک سیرت اور صاحب علم خاتون تھیں۔ اس عظیم خاتون نے اپنے بیٹے کو جس انداز میں تحصیلِ علم کی ترغیب دی، وہ یقیناً ایک عالی ہمت اور نیک سیرت خاتون ہی کر سکتی ہے۔

امام وکیع بیان فرماتے ہیں: ''ام سفیان نے سفیان سے کہا: جاؤ اور علم حاصل کرو، میں چرخہ کات کر تمھارے اخراجات پورے کروں گی۔ (یہ بات بھی یاد رکھنا کہ) جب تم دس حدیثیں لکھ چکو تو دیکھو کہ کیا تم اپنے نفس کے اندر (عمل اور حلم و وقار میں) کوئی اضافہ پاتے ہو؟ (اگر ایسا پاؤ گے تو) اس (علم) کے پیچھے پیچھے چلتے رہو اور اگر ایسا نہ پاؤ تو خود کو مت تھکاؤ۔''[54] (۱)

معلوم ہوا کہ ام سفیان نے بیٹے کو صرف حصول علم ہی کی ترغیب نہیں دی، بلکہ ان کو یہ نصیحت بھی کی کہ یہ علم اخلاق و کردار تو سنوارنے کا سبب ہو، ان کے بگاڑنے کا باعث نہ ہو۔ وہ عبادت ہو تجارت نہ ہو۔ (۲)

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ کی مسلسل جہود کا ثمرہ یہ نکلا کہ آپ رحمہ اللہ حدیث، فقہ اور دیگر علومِ دین کے جلیل القدر امام بن گئے۔ امام وکیعؒ فرماتے ہیں: ''سفیان (علم و فن) کے سمندر تھے۔'' جناب فریابی بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) ابن المبارک میری زیارت کو آئے اور فرمایا کہ سفیان ثوری کی حدیث میرے لیے

[54]- سیر اعلام النبلاء: (۷/ ۲۶۹)۔

نکالو۔ میں نے نکالی تو (امام ابن المبارک) رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھی تر ہو گئی اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، مجھے نہیں لگتا کہ میں ان جیسا کبھی (کوئی اور) دیکھوں گا''۔ [55]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آج کی مسلمان ماؤں کو بھی اپنے اسلاف کی ان برگزیدہ خواتین کے نہج پر چلنے کی توفیق عطا کرے کہ جن کی تربیت سے سفیان ثوری رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر ائمہ پیدا ہوئے۔ (آمین)

(۱) فائدہ: اللہ کی توفیق کے بعد یہ قائد اسی لیے قائد ہوئے کہ ان کی والدہ نے سوت کات کر ان کا خرچ اٹھایا اور انھیں طلب علم کے لیے بالکل فارغ کر دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے بیٹے کو زیادہ سے زیادہ حصول علم کی رغبت پر ابھارا، تاکہ علم کے راستے میں وہ اپنی چاہت اور دلی خواہش سے آگے بڑھیں، محض والدین کی رغبت سے نہیں۔

(۲) فائدہ: یہیں سے ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم بچوں کو یہ سمجھائیں علم حاصل کرنے اور ڈگری لینے کا مقصد لوگوں کو علم دینا اور جہالت کا خاتمہ کرنا ہے۔ اگر وہ طبیب ہے، تو اس لیے تاکہ مریضوں اور خاص طور پر محتاجوں کا علاج کرے۔ اسی طرح اگر انجینیر اور تاجر وغیرہ ہے تو معاملہ اونچا ہی رہے۔ جہاں تک رزق کا مسئلہ ہے تو وہ تو جب تم ماں کے پیٹ میں تھے تبھی لکھ دیا گیا تھا۔

---

[55]- سیر اعلام النبلاء ط الرسالۃ (۷/ ۲۷۰)۔

امام حسن بصری کی ماںؒ

امام حسن بصری رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ کا نام خیرہ تھا اور یہ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی تھیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ تب پیدا ہوئے جب کہ ابھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال باقی تھے۔ آپ کی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صحبت میں رہ کر کس قدر علم و ادب جمع کیا ہو گا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ ایک طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے خانۂ نبوت میں پرورش پائی۔ ائمہ کے درمیان حسن بصری کے مقام و مرتبے اور علم و فن میں ان کی بلند پائی سے پتا چلتا ہے کہ اس فاضلہ خاتون نے اپنے بیٹے کی تربیت کس توجہ و عنایت سے کی ہو گی، جیسا کہ یہ بات امام حسن بصری رحمہ اللہ کی سیرت پر نگاہ رکھنے والا بخوبی جانتا ہے۔

علاوہ ازیں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، خیرہ رحمہا اللہ کو کسی کام کے لیے بھیجتی تھیں (اور وہ ننھے حسن کو وہیں چھوڑ جاتیں) تو ان کے رونے پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کو بہلانے کے لیے اپنے پستان ان کے منہ میں دیتی تھیں اور ان کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف نکالتیں، جب کہ وہ ابھی ننھے بچے ہی تھے۔ ان کی والدہ محترمہ (خیرہ رحمہا اللہ) پوری تن دہی کے ساتھ ان (کی تعلیم و تربیت) کا خیال رکھتی تھیں۔ صحابۂ کرام بھی جناب حسن بصری کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز وہ اس بچے کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو انھوں نے ان کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا: (اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِي الدِّيْنِ، وَحَبِّبْهُ إِلَى النَّاسِ)[56] "اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور لوگوں کے نزدیک اس کو محبوب بنا دے۔" (۱)

امام ذہبی رحمہ اللہ جناب حسن بصری رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں: "آپ علم و عمل کے اعتبار سے اپنے زمانے کے لوگوں کے سردار تھے۔"[57]

---

[56]- سیر اعلام النبلاء ط الرسالۃ (۴/ ۵۶۴-۵۶۵)۔

[57]- سیر اعلام النبلاء (۴/۵۶۵)۔

علم دین کے گہوارے مدینہ منورہ میں اپنی والدہ کی خصوصی توجہ سے تربیت پاکر حسن بصری علم و فن کے ایسے روشن ستارے بن گئے، جو رہتی دنیا تک اپنی روشنی سے دنیا والوں کو مستفید کرتے رہیں گے۔

بلاشبہ اس عظیم امام کی تربیت کے پیچھے بھی ان کی والدہ کی خصوصی کاوش کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔ آمین۔

(۱) فائدہ: اس قائد کی والدہ محترمہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ کی صحبت یافتہ تھیں، جس کا اثر ان کے بیٹے کی صالحیت پر پڑا۔

امام اسماعیل بن ابراہیم کی ماںؒ

دوسری صدی کے مایہ ناز محدث امام اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم رحمہ اللہ کی والدہ کا نام علیہ بنت حسان تھا۔ آپ (بصرہ میں) بنو شیبان کی باندی تھیں۔امام اسماعیل کے والد ابراہیم بن مقسم کوفہ کے رہنے والے تھے اور کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔اس سلسلے میں وہ بصرہ میں بھی آتے جاتے رہتے تھے۔وہیں انھوں نے علیہ بنت حسان جو کہ بنو شیبان کی باندی تھیں، سے نکاح کر لیا۔علیہ نہایت شریف الطبع، دانش منداور عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔فقہ و حدیث میں ان کو ایسا کمال حاصل تھا کہ علامہ صالح المری اور بصرہ کے دوسرے بڑے بڑے علماءاور فقہاءان کے مکان پر آکر ان سے علمی اور فقہی مسائل میں گفتگو کیا کرتے اور ان سے سوال پوچھتے تھے۔امام اسماعیل رحمہ اللہ ان کے بطن سے ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور والدہ کی طرف ہی منسوب ہوئے۔انھوں نے بصرہ میں اقامت اختیار کی۔[58]

علیہ کے بطن سے ابراہیم کے ایک اور بیٹے ربعی بھی پیدا ہوئے۔وہ بھی ایک جلیل القدر محدث اور عالمِ دین بن گئے۔[59]

علیہ بنت حسان رحمہااللہ نے اپنے فرزندار جمند کی تعلیم و تربیت نہایت ہی عمدگی سے کی اور ان کو بصرہ کے ائمۂ حدیث کے پاس لے کر گئیں تاکہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکے۔علامہ عبد الوارث جوادی رحمہ اللہ (جو اس دور کے مشہور محدث تھے) بیان کرتے ہیں: ''(ایک دن) علیہ اپنے بیٹے (اسماعیل) کو لے کر میرے پاس آئیں اور کہا: یہ میرا فرزند ہے، اس کو اپنے ساتھ رکھ لیجیے (تاکہ) یہ آپ کے اخلاق سیکھ لے۔''[60] نیز کہتے ہیں: وہ (اسماعیل) بصرہ کے تمام لڑکوں سے زیادہ خوب

---

[58]- تاریخ بغداد: (۶/ ۲۲۹)۔

[59] دیکھیے: تاریخ بغداد: (۶/ ۲۲۹)۔

[60]- تاریخ بغداد: (۶/ ۲۳۰)۔

صورت تھے۔"[61] جناب ابراہیم حربی بیان کرتے ہیں: ابن علیہ ایسے (بلند پایہ اور چوٹی کے محدث) نکلے کہ اہلِ بصرہ کو اس بات میں (کوئی) شک نہیں تھا کہ وہ (اپنے شیخ) عبدالوارث سے زیادہ ثبت ہیں۔[62]

امام اسماعیل رحمہ اللہ اپنے والد ابراہیم کے بجائے اپنی والدہ کے نام کی نسبت سے ابن علیہ مشہور ہوئے۔ اس کا ایک سبب تو ان کی والدہ کا غیر معمولی علم و فضل تھا اور دوسرا یہ کہ ان کی والدہ نے ان کو تعلیم دلانے کے لیے بڑی تگ و دو کی تھی۔ یہ ان کی والدہ کی غیر معمولی توجہ سے ان کی تعلیم و تربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ ابن علیہ رحمہ اللہ حافظِ حدیث بن گئے۔ جناب قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: "(محدثین) کہا کرتے تھے: حفاظِ (حدیث) چار ہیں: ۱۔ اسماعیل بن علیہ ۲۔ عبدالوارث ۳۔ یزید بن زریع ۴۔ وہیب۔"[63] نیز امام شعبہ کہتے ہیں: "ابن علیہ محدثین کے سردار ہیں۔"[64]

لیکن امام اسماعیل بن ابراہیم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کو ابن علیہ کہا جائے۔ فرماتے تھے: "جو مجھے ابن علیہ کہے اس نے میری غیبت کی۔"[65] لیکن علمی دنیا میں امام اسماعیل بن ابراہیم، ابن علیہ کے نام سے ہی زیادہ معروف ہیں، جیسا کہ اس کی وجہ پیچھے بیان کی جا چکی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس عظیم اور جلیل القدر محدث کی ترقی و کامیابی اور مقام و منزلت کے پیچھے بھی ان کی والدہ کی خصوصی کاوشیں کارفرما ہیں۔ فرحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ۔

---

[61] تاریخ بغداد: (۶/۲۲۹-۲۳۰)۔

[62] - تاریخ بغداد: (۶/ ۲۳۱)۔

[63] - تاریخ بغداد: (۶/ ۲۳۳)۔

[64] - تاریخ بغداد: (۶/ ۲۲۹)۔

[65] - تاریخ بغداد: (۶/ ۲۳۴)۔

امام اسماعیل بن ابراہیم صرف علم میں ہی نہیں، بل کہ تقویٰ وورع میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ امام علی بن المدینی فرماتے ہیں: ''میں نے جناب اسماعیل بن علیہ کے پاس ایک رات گزاری، آپ (قیام اللیل میں) ایک تہائی قرآن پڑھا کرتے تھے اور میں نے ان کو کبھی بھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔''[66]

امام اسماعیل بن ابراہیم رحمہ اللہ منگل وار ۱۴ ذی القعدہ ۱۹۳ھ میں وفات پا گئے اور بدھ وار کو بغداد میں دفن کیے گئے۔[67] رحمہ اللہ تعالیٰ۔

---

[66]- تاریخ بغداد: (۶/ ۲۳۴)۔

[67]تاریخ بغداد: (۶/ ۲۳۸)۔

ابو عثمان ربیعۃ الرائی کی ماںؒ

ام ربیعہ رحمہا اللہ ایک ایسے عالم، حافظ، محدث اور فقیہ کی والدہ تھیں جن کے متعلق ایک جلیل القدر محدث جناب یحی بن سعید فرماتے ہیں: ''میں نے ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن سے زیادہ فطین (و ذہین) کسی کو نہیں دیکھا۔''[68] جن کے متعلق علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ فقیہ، عالم اور فقہ و حدیث کے حافظ تھے۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ اور اکابر تابعین کا زمانہ پایا۔ آپ مدینے میں صاحبِ فتویٰ تھے۔''[69] اب آیئے! ذرا ہم اس مثالی محدث، فقیہ و عالم کی کام یابی اور آسمان کی بلندیوں کو چھونے کے پیچھے کیا راز ہے؟ اس کو جان لیں:

ام ربیعہ کی شادی مدینہ منورہ کے رہنے والے ایک جوانِ صالح ابو عبد الرحمن فروخ سے ہوئی، جو بنو تیم بن مرہ میں سے آل ہدیر کے غلام تھے۔ امام ربیعہ ابھی شکمِ مادر میں ہی تھے کہ ان کے والد ابو عبد الرحمن فروخ کو خراسان کی مہم پر جانا پڑا۔ (واقعے کے آخری حصے سے پتا چلتا ہے کہ گھر سے چلتے وقت انھوں نے اپنی اہلیہ کو تیس ہزار اشرفیاں دیں اور کہا کہ یہی میری کل پونجی ہے۔ انھیں احتیاط سے رکھنا۔ میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ مجھے میدانِ جہاد سے زندہ سلامت واپس لائے تو اس رقم سے تجارت کروں۔ ہاں، اگر میری غیر حاضری میں تمھیں کوئی ضرورت پیش آجائے تو تم اس رقم میں سے جتنی چاہو خرچ کر سکتی ہو اور میرے جانے کے بعد اللہ تمھیں لڑکا یا لڑکی دے تو اس کی پرورش عمدہ طریقے سے کرنا۔ یہ کہ کر ربیعہ کے والد صاحب جنگ کے لیے نکل گئے۔) ربیعہ اس وقت اپنی والدہ کے پیٹ میں ہی تھے۔ (ا)

---

[68] - المعرفۃ والتاریخ: (١/٦٦٨)۔

[69] - تاریخ بغداد: (٨/٤٢٠)۔

(اس زمانے میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا، ایک مہم کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری اور تیسری کے بعد چوتھی، یہاں تک کہ فروخ کو ان مہموں میں حصہ لیتے لیتے پورے ستائیس برس گزر گئے، لیکن جہاد کی مصروفیت نے انھیں گھر نہ لوٹنے دیا اور نہ اس دوران گھر سے ان کا کوئی رابطہ ہی قائم ہو سکا۔ ادھر ان کے گھر سے نکلنے کے چار پانچ ماہ بعد اللہ نے ان کی بیوی کو ایک فرزند عطا کیا، جس کا نام انھوں نے ربیعہ رکھا۔ وہ بڑی دانش منداور دوراندیش خاتون تھیں۔ گو شوہر کی جدائی نے ان کی زندگی بے کیف کر دی تھی، لیکن انھوں نے بچے کی پرورش نہایت عمدہ طریقے سے کی۔ جب ربیعہ سن شعور کو پہنچے تو والدہ نے ان کی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کیا۔ یہاں تک کہ اپنے شوہر کے چھوڑے ہوئے تمام دینار ربیعہ کی تعلیم پر خرچ کر دیے۔

ربیعہ بھی بے حد ذہین اور حد درجہ محنتی تھے۔ چنانچہ انھوں نے بہت چھوٹی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور پھر چند سال کے اندر اندر قرآن، حدیث، فقہ و ادب سمیت بہت سے علوم پر ایسا عبور حاصل کر لیا کہ ان کے علمی کمالات کی سارے عرب میں دھوم مچ گئی اور وہ محض بیس بائیس برس کی عمر میں اپنے وقت کے امام تسلیم کیے گئے۔ لوگ اب نوجوان ربیعہ کو ''امام ربیعۃالرائی'' کہتے تھے۔ امام ربیعہ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں کو باقاعدگی سے درس دیتے تھے اور طلبہ دور دور سے آ کر ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے۔ ان طلبہ میں سے کئی بعد میں خود اپنے وقت کے امام بنے۔ امام مالکؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور کئی دوسرے مشاہیرِ وقت امام ربیعہ ہی کے شاگرد تھے۔

دوسری طرف ستائیس برس کے بعد فروخ کو جہاد سے فرصت ملی تو انھوں نے سیدھے اپنے گھر کا رخ کیا۔ کئی دن کے سفر کے بعد وہ مدینے میں اس شان سے داخل ہوئے کہ گھوڑے پر سوار تھے اور ایک لمبا نیزہ ہاتھ میں تھا۔ وہ گھوڑے سے اترے اور اپنے نیزے سے دروازے کو دستک دی۔ امام ربیعہ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ باپ بیٹے ایک دوسرے سے ناواقف تھے۔ (فروخ بے تکلفی سے اندر جانے لگے تو) امام ربیعہ نے انھیں ٹوکتے ہوئے کہا: اے اللہ کے دشمن! کیا تو میرے گھر پر حملہ کرتا ہے؟ (بلا اجازت داخل ہوتا ہے؟) فروخ نے (برہم ہو کر) کہا: نہیں، اے اللہ کے دشمن! بلکہ تو ہی میری حرمت پر دست درازی کرنے والا شخص ہے۔

امام ربیعہ نے بھی بڑا تلخ جواب دیا، جس سے بات بڑھتی ہی چلی گئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور شور وغل سن کر ہمسائے بھی جمع ہو گئے۔ ربیعہ فروخ سے کہہ رہے تھے: اللہ کی قسم! میں تجھے حاکم وقت کے پاس لے جائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ وہیں فروخ کی زبان پر بھی اسی قسم کے الفاظ تھے۔ کسی نے امام مالک رحمہ اللہ کو بھی اس جھگڑے کی خبر دی۔ وہ اپنے استاد کا معاملہ سمجھ کر فوراً وہاں آ گئے اور بڑے نرم لہجے میں فروخ سے مخاطب ہو کر کہا: میاں! آپ کے لیے کسی اور گھر میں بھی وسعت ہے۔ (آپ زبردستی اسی مکان میں کیوں گھسنا چاہتے ہیں؟)

اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ میرا نام ابو عبد الرحمن فروخ ہے اور یہ میرا اپنا گھر ہے۔ (ستائیس برس کے بعد میدانِ جہاں سے واپس آیا ہوں تو آپ میں سے مجھے کوئی پہچانتا ہی نہیں۔) فروخ کی بیوی نے ان کا کلام سنا اور (فوراً) باہر نکل کر فرمایا: یہ میرے شوہر ہیں اور یہ میرا وہی بیٹا ہے جو آپ نے جاتے وقت میرے رحم میں چھوڑا تھا۔ اب دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روتے رہے۔ فروخ گھر میں داخل ہوا اور پوچھا: کیا یہ میرا بیٹا ہے؟ (بیوی) نے کہا: جی ہاں۔ (کھانا کھانے اور آرام کرنے کے بعد) فروخ نے بیوی سے کہا: میرا وہ مال جو آپ کے پاس ہے، نکالو اور یہ میرے پاس مزید چار ہزار دینار ہیں۔ عقل مند بیوی نے جواب دیا: اس مال کو تو میں نے دفن کر دیا اور کچھ دن بعد ہی میں اسے نکالوں گی۔

ربیعہ مسجد کی طرف نکلے اور اپنے حلقۂ درس میں بیٹھ گئے۔ ان کے شاگرد مالک بن انس، حسن بن یزید، ابن ابی علی اللھبی، مساحقی اور مدینے کے باقی اشراف و معزز لوگ (درس میں حاضری دینے کے لیے) آ گئے۔ ام ربیعہ نے اپنے شوہر سے کہا: جائیے اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھ لیجیے۔ وہ نکلے اور نماز پڑھنے کے بعد ایک وسیع حلقۂ درس دیکھا، یہ بھی وہاں آ گئے اور بیٹھ گئے۔ انھوں نے ان کے لیے تھوڑی جگہ نکالی۔ ربیعہ نے اپنا سر جھکایا ہوا تھا اور درس دے رہے تھے۔ فروخ کو شک ہوا تو کسی سے پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: یہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن ہیں۔ ابو عبد الرحمن نے یہ سن کر کہا: یقیناً اللہ نے میرے بیٹے کو بلند مقام سے نوازا ہے۔

وہ گھر لوٹے اور ربیعہ کی والدہ سے کہا: میں نے اپنے بیٹے کو ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ اہل علم و فقہ میں سے کسی کو بھی ویسی حالت میں نہیں دیکھا۔ ربیعہ کی والدہ نے کہا: اب آپ کو دونوں چیزوں میں سے زیادہ پسند کیا ہے، تیس ہزار دینار یا اپنے بیٹے کی یہ عظمت و شان؟ فروخ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! تیس ہزار اشرفیاں اس مرتبے اور شان کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ بیوی نے کہا: تو پھر سن لیں، میں نے یہ تمام رقم اس کی تعلیم پر خرچ کر دی۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کو ضائع نہیں کیا ہے۔[70]

قارئینِ کرام! یہ تھا ایک مثالی ماں کی تعلیم و تربیت کا اثر اور امام ربیعہ رحمہ اللہ جیسی باکمال علمی شخصیت کی کام یابی کا ایک خوب صورت اور دل چسپ راز۔ امام ربیعہ رحمہ اللہ کی وفات ۱۳۶ھ میں انبار یا مدینے میں ہوئی[71]۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

(۱) فائدہ: اس ماں کے واقعے سے سیکھنے کو ملتا ہے کہ سخت ترین حالات میں ایک بیوی کا کیا کردار ہونا چاہیے۔ چنانچہ جب ان کے شوہر انھیں حاملہ چھوڑ کر جہاد کے لیے نکل گئے تھے اور ان کے پاس کچھ مال بھی رکھ گئے تھے، تو انھوں نے بڑے ہی سلیقے سے اس مال کا استعمال کیا، یہاں تک کہ ان کا بیٹا علمی قیادت کے رتبے کو پہنچ گیا، جس سے امت کے بڑے بڑے علمائے کرام بھی مستفید ہوئے۔

---

[70]۔ دیکھیے: تاریخِ بغداد؛ (۴۲۱/۸۔ ۴۲۲) بتصرف۔ نیز دیکھیے: تاریخِ اسلام کی چار سو باکمال خواتین: (۸۵۔۸۸)۔ لیکن یہ روایت موضوع ہے۔ دیکھیے: مشہور واقعات کی حقیقت: (۱۴۱)۔

[71]۔ تاریخِ بغداد: (۴۲۰/۸، ۴۲۵)۔

شیخ عبد القادر جیلانی کی ماںؒ

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی والدہ کا نام فاطمہ، کنیت ام الجبار اور لقب ام الخیر تھا۔ ان کو خیر و بھلائی کا وافر حصہ عطا کیا گیا تھا۔[72] ان کے بطن سے شیخ عبد القادر جیلانی علی اختلاف الروایات ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ میں پیدا ہوئے تھے۔[73]

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی شہرت ہر طبقے میں مسلم ہے۔ ان کے متعلق حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شیخ، امام، عالم، زاہد، عانف، نمونہ، شیخ الاسلام، اولیا کا پرچم، محی الدین، ابو محمد عبد القادر بن ابی صالح عبد اللہ بن جنکی دوست[74] الجیلی الحنبلی بغداد کے شیخ (تھے)۔''[75]

اس جلیل القدر اور عالی مرتبت امام کی تعلیم و تربیت اور عروج وارتقا میں بھی ان کی والدہ فاطمہ ام الخیر رحمہا اللہ کا کردار مضمر ہے۔ شیخ صاحب خود فرماتے ہیں کہ (حصولِ علم کی ترغیب دیتے ہوئے) مجھ سے میری والدہ نے کہا: ''(میرے بیٹے!) بغداد جاؤ اور علم حاصل کرو۔ (شیخ صاحب نے) فرمایا: میں ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف گیا جب کہ میں ابھی سولہ یا فرمایا اٹھارہ برس کا تھا اور میں (تن دہی سے) علم (کے حصول) میں مشغول ہو گیا۔''[76]

شیخ صاحب کی والدہ محترمہ نے انھیں حصولِ علم کی ہی ترغیب نہیں دی، بل کہ جھوٹ جیسی خصلتِ شنیعہ سے منع کرتے ہوئے تقویٰ وورع اختیار کرنے پر بھی ابھارا۔ شیخ صاحب ابھی کم سن ہی تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ والدہ ماجدہ نے بڑے صبر و حوصلے سے کام لیا اور اپنے چار پانچ سالہ فرزند کی تعلیم و تربیت اور نگرانی پر خاص

---

[72]۔ غبطۃ الناظر لابن حجر: (۲)۔

[73]۔ ایضاً۔

[74]۔ جنکی دوست: یعنی عظیم آدمی. معجم الشیوخ: (۱/ ۵۲)۔

[75]۔ سیر اعلام النبلاء: (۴۳۹/۲۰)۔

[76]۔ غبطۃ الناظر: (۴)۔

توجہ دی۔ اسی توجہ کا نتیجہ تھا کہ شیخ عبد القادر ایک مثالی جوانِ صالح بنے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے مقامی مکتب میں حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے بغداد جانے کا ارادہ کیا۔

آپ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میں حصول علم اور صالحین کی زیارت (محدثین سے ملاقات) کے لیے بغداد جانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا مجھے اللہ کے نام پر وقف کر دیجیے۔ والدہ نے کہا: میرے پاس ۸۰ دینار ہیں، جو میں نے تمھارے والد صاحب سے وراثت میں پائے ہیں۔ میری والدہ نے (۸۰ دینار میں سے) چالیس میرے بھائی کے لیے رکھ دیے اور چالیس میری بغل کے نیچے میری گدڑی میں سی دیے۔ جب میں گھر سے رخصت ہونے لگا تو میری والدہ نے مجھ سے کہا: "میرے پیارے بچے! میری آخری نصیحت سن کر پلے سے باندھ لو۔ اسے کبھی نہ بھولنا۔ وہ یہ ہے کہ تمام حالات میں سچ ہی بولنا، چاہے کچھ بھی ہو جائے، جھوٹ کے نزدیک بھی نہ پھٹکنا۔" شیخ صاحب نے عرض کیا: "اماں جان! میں سچے دل سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔" سیدہ فاطمہ نے اپنے نور العین کو گلے لگا لیا اور پھر ایک آہ سرد کھینچ کر فرمایا: "جاؤ تمھیں اللہ کے لیے آزاد کیا، اب میں اس چہرے کو قیامت تک نہیں دیکھوں گی۔" (۱)

والدہ ماجدہ سے رخصت ہو کر شیخ عبد القادر بغداد جانے والے ایک قافلے کے ساتھ ہو لیے۔ اس زمانے میں طویل بیابانی راستوں میں تنہا سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ لوگ قافلے بنا کر سفر کرتے تھے اور اپنی حفاظت کا مقدور بھر اہتمام کرتے تھے، پھر بھی رہزنوں کا خطرہ ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ شیخ عبد القادر کا قافلہ جب ہمدان سے آگے ایک بے آب و گیاہ کوہستانی علاقے میں پہنچا تو ساٹھ قزاقوں کے ایک جتھے نے قافلے پر حملہ کر دیا اور اہل قافلہ کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔

شیخ عبد القادر ایک طرف کھڑے تھے کہ ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا: "اے لڑکے! تمھارے پاس بھی کچھ ہے؟" انھوں نے بلا خوف و ہراس اطمینان سے جواب دیا: ہاں، میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر ڈاکو کو ان کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ ان پر ایک نگاہِ استہزا ڈالتا ہوا چلا گیا۔ پھر ایک دوسرے ڈاکو نے ان سے یہی سوال کیا۔ انھوں نے اسے بھی وہی جواب دیا۔ یہ ڈاکو بھی ان کی بات ہنسی میں اڑا کر چلا گیا۔ شدہ شدہ یہ بات ڈاکوؤں

کے سردار احمد بدوی تک پہنچی، اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ڈاکوؤں نے شیخ صاحب کو پکڑ کر احمد بدوی کے سامنے پیش کیا تو اس نے ان سے پوچھا: ''لڑکے! سچ سچ بتا تیرے پاس کیا ہے؟'' انھوں نے بے دھڑک جواب دیا: ''میں پہلے بھی تیرے دو ساتھیوں کو بتا چکا ہوں کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔''

سردار نے کہا: '' کہاں ہیں؟ نکال کر دکھاؤ۔'' شیخ صاحب نے فرمایا: ''میرے بغل کے نیچے گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔'' سردار نے گدڑی کو ادھیڑ کر دیکھا تو واقعی چالیس دینار نکل آئے۔ سردار اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سردار نے استعجاب کے عالم میں کہا: ''لڑکے! تمھیں معلوم ہے کہ ہم ڈاکو ہیں، لیکن پھر بھی تم نے دیناروں کا بھید ہم پر ظاہر کر دیا۔اس کی کیا وجہ ہے؟'' شیخ صاحب نے فرمایا: ''میری پاکباز والدہ نے گھر سے رخصت ہوتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ سچ بولنا۔ بھلا ان چالیس دینار کی خاطر میں والدہ کی نصیحت کیسے فراموش کر دیتا؟''

یہ سن کر سردار پر رقت طاری ہو گئی اور وہ روتے ہوئے بولا: '' آہ! اے بچے! تم نے اپنی ماں سے کیے وعدے کا اتنا پاس رکھا، حیف ہے مجھ پر کہ اتنے سالوں سے اپنے خالق کا عہد توڑ رہا ہوں۔اے بچے! آج سے میں اس کام سے توبہ کرتا ہوں۔'' دوسرے ڈاکوؤں نے بھی اپنے سردار کا ساتھ دیا۔لوٹا ہوا تمام مال قافلے والوں کو واپس کر دیا اور اس کے بعد نیکی اور پرہیز گاری کی زندگی اختیار کر لی۔[77]

اللہ اکبر! قارئین کرام! اس واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک نیک سیرت والدہ کی تربیت بچے کو کیا سے کیا بنا سکتی ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نوے سال زندہ رہے اور ۱۰ ربیع الآخر ۵۶۱ھ میں وفات پا گئے۔[78]

(۱) ماں نے بیٹے کو جن باتوں کی ہدایت کی تھی، ان میں سے ایک ہر حال میں سچ بولنا بھی تھا۔ چنانچہ اسی سچ بولنے کی برکت سے ان ڈاکوؤں کی جماعت نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور لوگوں کا مال انھیں واپس کر دیا۔

---

[77] ۔غبطۃ الناظر: (۵۔۶) بتصرف، نیز دیکھیے: تاریخ اسلام کی ساٹھ باکمال خواتین: (۲۰۵۔۲۰۸) بتصرف۔

[78] سیر اعلام النبلاء: (۲۰/۴۵۰)۔

باب دوم

قرآن میں چند ماؤں کا تذکرہ

اسماعیل علیہ السلام کی ماں

سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا نام سیدہ ہاجر علیہا السلام تھا۔ "سیدہ ہاجر علیہا السلام کے ہاں جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس سے سیدہ سارہ علیہاالسلام (جو کہ ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی تھیں) کو سخت غیرت آئی، تو پھر سیدہ سارہ نے سیدنا ابراہیم کو کہا: اس کو مجھ سے (دور) کہیں اور لے جاؤ، تو ابراہیم علیہ السلام سیدہ ہاجرہ اور ان کے شیر خوار فرزند اسماعیل کو لے کر چلے حتی کہ بیت اللہ (کی جگہ) کے پاس لے گئے اور وہاں مسجد کے بالائی طرف جہاں آج زمزم کا کنواں ہے، وہاں اس وقت ایک درخت تھا، ادھر اتار دیا، اور اس وقت اس مکہ کے علاقے میں ان کے سوا کوئی انسان نہ تھا (نہ بیت اللہ کی عمارت تھی، نہ کوئی اور آبادی کی چیز، بل کہ بیابان صحرا تھا حتی کہ) پانی تک نہ تھا، تو سیدنا ابراہیم نے ان کو وہاں بٹھا دیا، اور پاس ایک کھجور کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ رکھ دیا۔ (۱)

تو جب سیدنا ابراہیم ان کو چھوڑ کر پیٹھ پھیر کر واپس ہونے لگے، تو سعادت مند بیوی اپنے شوہر نام دار کی طرف کھڑی ہوئیں اور آپ کے کپڑوں سے چمٹ گئیں اور عرض کیا: "اے ابراہیم! آپ ہمیں یہاں تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ جب کہ ہمارے پاس کوئی (کھانے پینے اور رہنے سہنے کا) سامان بھی نہیں ہے، جس سے ہم گزر بسر کر سکیں؟" لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہاجر اصرار و اضطراب کے ساتھ پیچھے پڑ گئیں، لیکن آپ علیہ السلام ہیں کہ جواب نہیں دے رہے، تو پھر سیدہ ہاجر نے آپ سے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم فرمایا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے پھر جواب دیا: جی ہاں۔ تو پھر سیدہ ہاجر علیہا السلام نے بھی کہا: پھر (تو کوئی پروا نہیں اور) وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔[79]

---

79 قصص الانبیاء لابن کثیر (اردو): (۱۸۲۔۱۸۳)۔

پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی واپس مڑ کر چل پڑے حتی کہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں پہنچ گئے، جہاں سے وہ دونوں ماں بیٹا ان کو نہ دیکھ سکتے تھے، تو وہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی طرف رخ کیا اور اللہ کی بارگاہ میں دعا والتجا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور عرض کیا: ﴿ رَّبَّنَا إِنِّيٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ الصَّلاَةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ [إبراهيم:٣٧] "اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں، پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تا کہ یہ شکر گزاری کریں۔"

اور ام اسماعیل اس پانی سے خود بھی پیتیں اور اپنے بچے کو بھی پلاتیں، حتی کہ مشکیزہ خالی ہو گیا اور ماں کو بھی پیاس لگی، بیٹے کو تو لگنی ہی تھی، آخر شیر خوار بچہ تھا۔ ماں ممتا کی وجہ سے اپنی پیاس بھول کر بار بار پریشانی کے عالم میں بچے کو دیکھتیں۔ پھر جب بچے کی حالت ایسی ہو گئی کہ ماں سے دیکھا نہ گیا، تو ماں بے قراری کے عالم میں اٹھیں اور قریب ہی ایک (صفا نامی) پہاڑی تھی، اس پر جا کر چڑھیں اور آس پاس وادی میں کسی کو تلاش کرنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آجائے یا پانی ہی دکھ جائے، لیکن سب بے سود۔ پھر اسی طرح تڑپتے دل کے ساتھ واپس اتریں، اور جب وادی کے بیچ میں پہنچ گئیں تو اپنی قمیص مبارک کا کنارہ پکڑا، جیسے انسان بھاگتے وقت اپنے کپڑوں کو سمیٹتا ہے اور پھر انتہائی پریشانی کے ساتھ دوڑ پڑیں اور وادی پار کر گئیں اور پھر مروہ پہاڑی پر چڑھیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آجائے یا پانی ہی مل جائے، لیکن بے فائدہ۔ تو اس طرح ماں ہاجر اپنی ممتا اور دل کی تڑپ اور بے چینی کے ساتھ سات مرتبہ ان پہاڑیوں پر دوڑیں۔

تو سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سیدہ ہاجر علیہا السلام جب (آخری مرتبہ) مروہ پر چڑھیں (تو کوئی آواز محسوس فرما کر) اپنے آپ کو کہا: رک جا، پھر غور سے آواز کی طرف کان لگائے اور کہا: شاید تیرے پاس کوئی فریادرس پہنچ گیا ہے۔ پھر زمزم کی جگہ دیکھا تو وہاں ایک فرشتے کو موجود پایا، پھر اس نے اپنی ایڑی کے ساتھ زمین کو کریدا، یا فرمایا کہ پھر اس نے اپنے پیر زمین پر مارے تو پانی ظاہر ہو گیا، تو سیدہ ہاجر اس کو گھیرنے لگیں اور حوض کی صورت میں

اس کو جمع کیا اور کہنے لگیں: زم زم یعنی رک جا، رک جا۔ اور پھر چلو بھر بھر کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں اور پانی چشمے سے برابر اُبل رہا تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (يَرْحَمُ اللَّهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ، أَوْ قَالَ لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ، لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا)''اللہ ام اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں'' یا آپ نے یہ فرمایا: ''اگر پانی سے مشکیزے کو نہ بھرتیں تو زمزم ایک رواں چشمے کی صورت اختیار کر جاتا۔''تو پھر سیدہ ہاجر نے خود بھی پیا اور اپنے لخت جگر اسماعیل کو بھی پلایا اور فرشتے نے ہاجر سے کہا: آپ اس زمین میں خوف نہ کیجیے، بے شک یہاں اللہ کا گھر ہے۔ یہ بچہ اور اس کے والد دونوں مل کر اس کی تعمیر کریں گے اور اللہ اپنا گھر (بنانے) والوں کو ضائع نہ فرمائیں گے۔

الغرض سیدہ ہاجرا اپنے فرزند کے ساتھ اسی طرح زندگی بسر فرماتی رہیں۔ ایک مرتبہ ان کے پاس سے قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ گزرا اور ان کی طرف سے (کچھ ہٹ کر) ہوتا ہوا مکہ کی نشیبی زمین میں قیام پذیر ہو گیا۔ وہاں سے انھوں نے پانی سے اڑنے والے پرندوں کو دیکھا تو کہہ اٹھے: یہ پرندے تو پانی پر آتے ہیں اور جب کہ ہم اس وادی سے واقف ہیں یہاں پر کوئی پانی نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے اپنے ایک یا دو ساتھی دوڑائے، وہ اس جگہ پہنچے اور واپس آکر پانی کی خبر دی تو سب وہاں متوجہ ہو گئے اور چل پڑے۔ وہاں سیدہ ہاجر پانی کے پاس موجود تھیں۔ انھوں نے پوچھا: کیا آپ اپنے پاس ہمیں اترنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گی؟ تو سیدہ ہاجر نے کہا: ہاں، لیکن پانی پر ملکیت میں ہمارے ساتھ تمھارا کوئی حصہ نہ ہو گا۔ انھوں نے عرض کیا: ٹھیک ہے۔[80]

آگے چل کر پھر اسی جرہم قبیلے کی ایک لڑکی سے اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی ہوئی اور اسی عرصے میں سیدہ ہاجر بھی عظیم قربانیاں دے کر وفات پا گئیں۔[81]

معزز قارئین! تو دیکھا آپ نے کہ ایک عالی ہمت خاتون کس طرح تن تنہا اپنے بچے کی تربیت کرنے میں کامیاب ہوئی اور کس طرح ان کا لخت جگر ایک

80- صحیح بخاری: (۳۳۶۴)۔

81قصص الأنبیاء: (۱/ ۲۰۴)۔

ایسا فرزند ارجمند ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: {وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولاً نَّبِيًّا. وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلاَةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا} [مریم:۵۴-۵۵] ''اور اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا واقعہ بھی بیان کر، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی۔ وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکات کا حکم دیتا تھا اور تھا بھی اپنے رب کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول۔''

(۱) فائدہ: اللہ پر ان کے حسنِ توکل نے بہت سے معاملات میں ان کی مدد کی۔

اسحاق علیہ السلام کی ماں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے خلیل نبی سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر دو نہایت صالح، صبر و استقلال کی پیکر، مومن بیویاں عطا فرما کر احسان عظیم فرمایا تھا۔ ان میں سے ایک نے اس وقت انتہائی صبر و استقلال سے کام لیا جب ان کے محترم و مکرم خاوند ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام انھیں اور ان کے دودھ پیتے بچے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ایک بے آب و گیاہ وادی (بطحاء) میں چھوڑ آئے تھے، جیسا کہ گزشتہ سطور میں ان کا ذکر خیر ہو چکا ہے۔ جب کہ دوسری زوجہ محترمہ نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ نیکی کے کاموں میں بھرپور کوشش کر کے اور مہمانوں کی خدمت و تکریم کے ذریعے صبر و استقلال کا راستہ اختیار کیا تھا، حتی کہ یہ محترمہ بڑی عمر کو پہنچ گئیں۔ پوری زندگی یہ معزز خاتون اسی نیکی و صبر کی راہ پر گام زن رہیں۔

آئندہ سطور میں ہم خلیل اللہ علیہ السلام کی انھی دوسری بیوی کا تذکرہ کرنے جا رہے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کا واقعہ دو مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ (باقی جگہوں پر اشارتاً ذکر موجود ہے۔) چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ جَاءتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُواْ سَلاَمًا قَالَ سَلاَمٌ فَمَا لَبِثَ أَن جَاء بِعِجْلٍ حَنِيذ. فَلَمَّا رَأَى أَيْدِيَهُمْ لاَ تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُواْ لاَ تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوط. وَامْرَأَتُهُ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَقَ وَمِن وَرَاء إِسْحَقَ يَعْقُوب. قَالَتْ يَاوَيْلَتَى أَأَلِدُ وَأَنَاْ عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيب.**قَالُوا أَتَعجَبِين مِن أَمرِ اللهِ رَحمَتُ و بركاته عليكم أهل البيت إنه حميد مجيد﴾** [هود:٦٩-٧٢] ''اور بلا شبہ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے، انھوں نے سلام کہا، اس نے بھی کہا: سلام ہو۔ پھر دیر نہیں کی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔ تو جب ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو انھیں اوپرا جانا اور ان سے ایک قسم کا خوف محسوس کیا، انھوں نے کہا: نہ ڈر! بے شک ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور اس کی بیوی کھڑی تھی، سو ہنس پڑی تو ہم نے اسے اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔ اس نے کہا: ہائے میری بربادی! کیا میں جنوں گی، جب کہ

میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا خاوند ہے بوڑھا، یقیناً یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ انھوں نے کہا: کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے گھر والو! بے وہ بے حد تعریف کیا گیا، بڑی شان والا ہے۔

دوسرے مقام پر قدرے تفصیل سے ارشاد فرمایا ہے: ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِين. إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلاَمًا قَالَ سَلاَمٌ قَوْمٌ مُّنكَرُون. فَرَاغَ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاء بِعِجْلٍ سَمِين. فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلاَ تَأْكُلُون. فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لاَ تَخَفْ وَبَشَّرُوهُ بِغُلاَمٍ عَلِيم. فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيم. قَالُوا كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكِ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيم﴾ [الذاريات:۲۴- ۳۰] ''کیا تیرے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی ہے؟ جب وہ اس پر داخل ہوئے تو انھوں نے سلام کیا۔ اس نے کہا: سلام ہو کچھ اجنبی لوگ ہیں۔ پس چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گیا، پس (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آیا۔ پھر اسے ان کے قریب کیا، کہا: کیا تم نہیں کھاتے؟ تو اس نے ان سے دل میں خوف محسوس کیا، انھوں نے کہا: مت ڈر! اور انھوں نے اسے ایک بہت علم والے لڑکے کی خوش خبری دی۔ تو اس کی بیوی چیختے ہوئے آگے بڑھی، پس اس نے اپنا چہرہ پیٹ لیا اور اس نے کہا: بوڑھی بانجھ! انھوں نے کہا: تیرے رب نے ایسے ہی فرمایا ہے، یقیناً وہی کمالِ حکمت والا، بے حد علم والا ہے۔''

صحیح الاسناد روایات سے ثابت ہے کہ اللہ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی اس زوجۂ محترمہ کا نام سارہ (رضی اللہ عنہا) تھا۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر، تین دفعہ (بولا)[82] (ان میں سے دو جھوٹ اللہ کے لئے تھے، ایک تو ان کا یہ قول کہ ''میں بیمار ہوں'' اور دوسرا یہ کہ ''ان بتوں کو بڑے بت نے توڑا ہوگا'' اور تیسرا جھوٹ سیدہ سارہ علیہا السلام کے بارے میں تھا۔

[82] یہ اصطلاحاً جھوٹ کہے گئے ہیں، حقیقت میں جھوٹ نہیں ہیں بلکہ یہ توریہ کی ایک شکل ہیں۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں پہنچے، ان کے ساتھ ان کی بیوی سیدہ سارہ علیہا السلام بھی تھیں اور وہ بڑی خوبصورت تھیں۔ انھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس ظالم بادشاہ کو اگر معلوم ہو گا کہ تو میری بیوی ہے تو مجھ سے چھین لے گا، اس لئے اگر وہ پوچھے تو یہ کہنا کہ میں اس شخص کی بہن ہوں اور تو اسلام کے رشتے سے میری بہن ہے۔ (یہ بھی کچھ جھوٹ نہ تھا) اس لیے کہ ساری دنیا میں آج میرے اور تیرے سوا کوئی مسلمان معلوم نہیں ہوتا۔

جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس کی قلم رو (اس کے علاقہ) سے گزر رہے تھے، تو اس ظالم بادشاہ کے کارندے اس کے پاس گئے اور بیان کیا کہ تیرے ملک میں ایک ایسی عورت آئی ہے جو تیرے سوا کسی کے لائق نہیں ہے۔ اس نے سیدہ سارہ علیہا السلام کو بلا بھیجا۔ وہ گئیں تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہو گئے (اور اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ سے دعا کرنے لگے)۔ جب سیدہ سارہ علیہا السلام اس ظالم کے پاس پہنچیں تو اس نے بے اختیار اپنا ہاتھ ان کی طرف دراز کیا، لیکن فوراً اس کا ہاتھ سوکھ گیا وہ بولا کہ تو اللہ سے دعا کر کہ میرا ہاتھ کھل جائے، میں تجھے نہیں ستاؤں گا۔ انھوں نے دعا کی، اس مردود نے پھر ہاتھ دراز کیا، پھر پہلے سے بڑھ کر سوکھ گیا۔ اس نے دعا کے لیے کہا تو انہوں نے پھر دعا کی۔ پھر اس مردود نے دست درازی کی، پھر پہلی دونوں دفعہ سے بڑھ کر سوکھ گیا۔ تب وہ بولا کہ اللہ سے دعا کر کہ میرا ہاتھ کھل جائے، اللہ کی قسم! اب میں تجھ کو نہ ستاؤں گا۔ سیدہ سارہ علیہا السلام نے پھر دعا کی، اس کا ہاتھ کھل گیا۔

تب اس نے اس شخص کو بلایا جو سیدہ سارہ علیہا السلام کو لے کر آیا تھا اور اس سے بولا کہ تو میرے پاس شیطانی کو لے کر آیا، یہ انسان نہیں ہے، اس کو میرے ملک سے باہر نکال دے اور ایک لونڈی ہاجر اس کے حوالے کر دے۔ سیدہ سارہ علیہا السلام ہاجر کو لے کر لوٹ آئیں۔ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تو نماز سے فارغ ہوئے اور کہا: کیا ہوا؟ سارہ علیہا السلام نے کہا: بس کہ سب خیریت رہی، اللہ تعالیٰ نے اس بدکار کا ہاتھ مجھ سے روک دیا اور خدمت کے لیے ایک لونڈی بھی دی۔[83]

---

[83]۔ صحیح مسلم: (۲۳۷۱)۔

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کا نسب یوں تھا: سارہ بنت ہارون (یاہاران) بن ناحور بن ساروج بن راعو بن فالغ۔ اور یہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی چچازاد بہن تھیں۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کا نسب یوں ہے: ابراہیم بن تارخ (آزر) بن ناحور بن ساروج بن راعو بن فالغ۔[84]

سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا جب سے اُن کے نکاح میں آئی تھیں مکمل ایمان و اسلام کی حالت میں آپ علیہ السلام کے ہر دکھ درد میں آپ کی شریک تھیں۔[85]،[86]

[84] دیکھیے: تفسیر الطبری: (۱۲/۷۱)، تفسیر البغوی: (۲/۳۹۲) اور تفسیر القرطبی: (۹/۷)۔

[85] تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ ابن خلدون: (۲/۱۴۱) اور البدایۃ والنہایۃ: (۱/۱۴۱)۔

[86] قرآن میں خواتین کے واقعات: (۲۰۳:۱۹۰) بتصرف۔

موسیٰ علیہ السلام کی ماں

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام قرآن کی کسی آیتِ کریمہ یا رسول اللہ ﷺ کی کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں ہوا۔ البتہ اہلِ تاریخ نے ان کا نام یوخاند، یحیب، یوخایذ، باختہ یالوحابنت ہاندبن لاوي بن یعقوب (علیہ السلام) وغیرہ ذکر کیا ہے۔[87] بہر کیف وہ کسی نہ کسی نام سے توضرور موسوم تھیں، تفصیل میں جانے کا کچھ خاص فائدہ نہیں۔

علمائے امت رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نبیہ نہیں تھیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ارادہ فرمایا کہ وہ بنو اسرائیل کو اس سرکشی سے بچالے کہ جس میں وہ ایک لمبی مدت سے (سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانے کے بعد) مبتلا ہو چکے تھے تو پھر اس نے اس معاملے کے لیے کچھ اسباب تیار فرمائے۔ چنانچہ اللہ عز و جل فرماتے ہیں: ﴿ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِين. وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الأَرْضِ وَنُرِي فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُون ﴾ [القصص:۵-۶] ''اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو زمین میں دبا کر رکھا گیا ہے، ان پر احسان کریں، ان کو پیشوا بنائیں، انھی کو (ملک ومال کا) وارث بنادیں، اور انھیں زمین میں اقتدار عطا کریں اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھادیں جس سے بچاؤ کی وہ تدبیریں کر رہے تھے۔''

چنانچہ اس فیصلے کی ابتدائی تیاریوں میں سے یہ تھا کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حاملہ ہو کر مدت حمل پوری ہونے کے بعد آپ کو جنم دینے سے سرفراز ہو چکیں، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے: ﴿ وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلاَ تَخَافِي وَلاَ تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِين....... وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَى آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا

---

[87] یہ تمام نام: الکامل لابن الاثیر: (۹۵/۱)، تاریخ الطبری: (۲۳۱/۱)، تفسیر قرطبیؒ: (۲۵/۱۳)، ابن کثیر کی کتاب: قصص الانبیاء: (۲۹۹) اور السھیلی رحمہم اللہ جمیعا کی کتاب التعریف والاعلام: (۱۳۰) میں ذکر ہوئے ہیں۔

وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ} [القصص:۸-۱۴] ''اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کوالہام کیا کہ : تم اس (بچے) کو دودھ پلاؤ، پھر جب تمھیں اس کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا، اور ڈرنا نہیں، اور نہ صدمہ کرنا، یقین رکھو ہم اسے واپس تمھارے پاس پہنچا کر رہیں گے، اور اس کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بنائیں گے۔ اس طرح فرعون کے لوگوں نے اس بچے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو اٹھالیا، تاکہ آخر کار وہ ان کے لیے دشمن اور غم کا ذریعہ بنے ۔ بے شک فرعون، ہامان اور ان کے لشکر بڑے خطاکار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا: یہ بچہ میری اور تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اور (یہ فیصلہ کرتے وقت) انھیں انجام کا پتہ نہیں تھا۔ ادھر موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار تھا۔ قریب تھا کہ وہ یہ سارا راز کھول دیتیں، اگر ہم نے ان کے دل کو سنبھالا نہ ہوتا، تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) یقین کیے رہیں۔ اور انھوں نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ : اس بچے کا کچھ سراغ لگاؤ۔ چنانچہ اس نے بچے کو دور سے اس طرح دیکھا کہ ان لوگوں کو پتا نہیں چلا ۔ اور ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی سے یہ بندش لگادی تھی کہ وہ دودھ پلانے والیاں انہیں دودھ نہ پلا سکیں، اس لیے ان کی بہن نے کہا: کیا میں تمھیں ایسے گھر کا پتا بتاؤں جس کے لوگ تمھارے لیے اس بچے کی پرورش کریں، اور اس کے خیر خواہ رہیں؟ اس طرح ہم نے موسیٰ کو ان کی ماں کے پاس لوٹا دیا، تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غمگیں نہ ہوں، اور تاکہ انھیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب موسیٰ اپنی بھرپور توانائی کو پہنچے اور پورے جوان ہو گئے تو ہم نے انھیں حکمت اور علم سے نوازا، اور نیک لوگوں کو ہم یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔''

جنابِ موسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں بہا دینے والے حکم کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ اس کا ذکر اللہ عزوجل نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ القصص میں ہی اس واقعے کے آغاز میں اس کا سبب یوں بیان ہوا ہے: ﴿ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلاَ فِي الأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ} [القصص:۴] ''بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی، اور اس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم

کر دیا تھا جن میں سے ایک گروہ کو اس نے اتناد با کر رکھا ہوا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا، (۱) اور انکی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو فساد پھیلایا کرتے ہیں۔"

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں اسی بات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوَءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُم بَلاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ [البقرة:۴۹] "اور وہ (وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمھیں بڑا عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اور اس ساری صورت حال میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارا بڑا امتحان تھا۔"

اور جیسا کہ پیچھے سورۃ القصص کی آیت نمبر ۷ میں اس بات کی وضاحت آگئی ہے کہ: اللہ عزوجل نے ام موسیٰ کی طرف پہلا الہام یہ کیا کہ: اس بچے کو دودھ پلاتی رہو اور جب تمھیں اس بات کا ڈر پیدا ہو جائے کہ فرعونی ظالم تمھارے بچے کی خبر پا کر تم سے چھین لے جائیں گے تو پھر اسے صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دینا۔ (دنیا میں کمزور لوگوں کو غالب کرنے والا اللہ رب العالمین کا جو فیصلہ تھا) یہ اس فیصلے کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تدبیر تھی۔ وہ اللہ عزوجل حکمت ودانائی والا ہر بات کی خوب خبر رکھنے والا اس بات کو خوب جانتا تھا کہ اس بچے کو جو کہ مستقبل میں اپنی قوم کے لیے نجات دہندہ بننے والا تھا، اگر ملک مصر میں کسی بھی مقام پر رکھا یا چھپایا جاتا، تو ڈر اس بات کا تھا کہ فرعونی لشکر اس تک پہنچ ہی جاتے اور اسے قتل کر دیتے۔ اس لیے اللہ عزوجل نے دریائے نیل کے ذریعے اس بچے کو فرعون کے محلات میں پہنچا دیا، جہاں وہ بالکل محفوظ ہو گیا۔ جیسا کہ پیچھے سورۃ القصص کی آیت نمبر ۹ میں گزر چکا ہے۔

چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے اللہ کے اس حکم عظیم کو دل و جان سے قبول کرتے ہوئے اس پر پورا پورا عمل کیا۔ اسے رب العالمین کے وعدے پر مکمل یقین آگیا اور پھر اس نے اللہ عزوجل کے اس حکم پر فوراً اقدام کیا، جسے بجالانے کی اُس نے اُم موسیٰ کی طرف وحی کی تھی۔ اس کے بعد اُمّ موسیٰ کو اپنے بیٹے کے بارے میں خوف پیدا ہوا (کہ اس کی خبر اگر باہر نکلی تو فرعونی اسے چھین کر قتل کر ڈالیں گے۔) تو

اس نے جلدی سے اسے ایک صندوقچے میں رکھا اور دریا میں بہادیا۔ اس صندوقچے کو فرعون کے اہلِ خانہ نے پکڑ لیا۔ (۱)

اُمِّ موسیٰ کو جب اس بات کی خبر ملی کہ اس صندوقچے کو فرعون کے سپاہیوں یا اس کے گھر والوں نے پکڑ لیا ہے تو بہت گھبرائی، اس کی عقل نے ساتھ دینا چھوڑ دیا۔ اسی رنج میں قریب تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے بیٹے کا حال کھول دے اور جسے وہ فرعونیوں سے چھپائے ہوئے تھی اور سرِ عام اظہار کر دے کہ یہ بچہ اس کا اپنا بیٹا ہے۔ مگر اللہ عزو جل نے اس کے دل کو مضبوط رکھا اور اللہ عزو جل کے اس وعدے کو یاد کر کے ثابت قدم رہی کہ وہ اس کے بیٹے کی حفاظت بھی کرے گا اور اسے اس کے پاس واپس بھی لوٹادے گا۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ اللہ کریم کے وعدے سے مطمئن رہی۔[88] جب اس کی گھبراہٹ کو کچھ سکون ملا تو اس نے بیٹے کی تلاش شروع کروادی اور موسیٰ کی بہن (جس کا نام مریم، کاتمہ یا کلثوم تھا) کو بھیجا کہ وہ صندوق کے پیچھے پیچھے چلتی جائے اور اس کی پوری پوری خبر رکھے۔ چنانچہ وہ انجان سی بن کر اسے دیکھتی رہی تاکہ کسی کو اس بات کا گمان بھی نہ وہ کہ وہ اس صندوق والے کی بہن ہے اور یہ معلوم کرنے کے لیے ساتھ ساتھ چلی آرہی ہے کہ اسے کون اٹھاتا ہے اور کدھر لے جاتا ہے؟

پھر جیسا کہ پیچھے قرآنی آیات کے ترجمے میں گزر چکا ہے، اللہ کریم نے اپنے وعدے کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی طرف واپس لوٹادیا، تاکہ بچے کی اپنی ماں کے پاس واپسی اور سلامتی سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ وہ اپنے بیٹے کی جدائی پر غم نہ کر سکے اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے جان سکے کہ اللہ عزو جل کا وعدہ حق اور سچ تھا۔[89]

---

[88] دیکھیے: تفسیر البغوی: (۳/۷ ۴۳)، تفسیر ابن کثیر: (۶/ ۲۳۳)، البحر المحیط: (۷/ ۱۰۶) اور تفسیر القاسمی: (۱۳/ ۴۶۹۷)۔

[89] دیکھیے: روح المعاني للآلوسي: (۲۰/ ۵۰)، تفسیر أبي السعود: (۶/ ۱۶)، وتفسیر الطبري: (۲۰/ ۴۱)، وزاد المسیر: (۶/ ۲۰۶)، اور حسن الأسوة لصدیق حسن القنوجي: (۳۷)۔ بحوالہ: قرآن میں خواتین کے واقعات: (۷۳-۷۸) بتصرف.

(۱)فائدہ: ماں نے اپنے رب کے حکم کے سرِ تسلیم خم کر دیا، جس کا نتیجہ موسیٰ علیہ السلام کو مقامِ بلند ملنے کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ آج بھی اگر ماں کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو گی تو اس کا نتیجہ اس کی اور اس کے بچے کی صلاح و فلاح کی شکل میں ظاہر ہو گا۔

مریم کی ماں

بلا شبہ اللہ عز و جل اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اپنی رسالت و نبوت کے لیے منتخب کر لیتا ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاء وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُون﴾ [القصص:٦٨] ''اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور (جو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے۔ ان کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اللہ ان کے شرک سے پاک ہے اور بہت بالا و برتر ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِير﴾ [الحج:٧٥] ''اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے، اور انسانوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے۔''

اور پھر اللہ عز و جل نے لوگوں میں سے اپنے ان بندوں کا انتخاب نبوت و رسالت کے لیے فرمایا کہ جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ افضل و بہتر تھے۔ جیسا کہ اللہ رب العالمین کا ارشاد گرامی ہے: ﴿إِنَّ اللّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِين. ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيم﴾ [آل عمران:٣٣-٣٤] ''اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان، اور عمران کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی۔ یہ ایسی نسل تھی جس کے افراد (نیکی اور اخلاص میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ اور اللہ (ہر ایک کی بات) سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

جب اللہ رب العالمین نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے اپنی تمام مخلوق سے مذکورہ بالا افراد گرامی اور (ان کے علاوہ کچھ دیگر لوگوں) کو نبوت و رسالت اور اپنی عبودیت و اطاعت کے لیے چن لیا ہے تو اس نے ہمیں ان کی مطہر و عظیم المرتبت سیرتوں کے

بارے میں بھی مطلع فرمایا ہے۔ اور یہ اس حیثیت سے کہ ان کی اقتدا کی جاتی تھی اور اللہ عزوجل کی عظیم عبودیت تک پہنچنے میں وہ ایک ایسا نمونہ تھے کہ جس کی اقتدا و پیروی کی جاتی تھی۔[90]

چنانچہ اللہ کے انھی منتخب بندوں میں سے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ بھی تھیں۔ مریم علیہا الصلاۃ والسلام کی والدہ محترمہ کا واقعہ قرآن حکیم میں ایک ہی مقام پر ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمفَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَى وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وِإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيم} [آل عمران:۳۵-۳۶]''جب عمران کی بیوی نے کہا تھا کہ: یارب ! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لیے وقف رکھوں گی۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ (ا) پھر جب ان سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ(حسرت سے) کہنے لگیں : یارب ! یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہو گئی ہے۔ حالاں کہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے۔ اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کے لیے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔''

یہاں مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ میں جس پاک باز خاتون کا ذکر ہوا ہے وہ بنو اسرائیل کے مردِ صالح جناب عمران بن ہاشم بن آمون کی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ مریم بنت عمران علیہا السلام کی والدہ تھیں۔ ان کا نام احادیث میں حنہ بنت فاقوذ بن قتیل ذکر ہوا ہے۔[91]

اور جیسا کہ پیچھے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۳۳ اور ۳۴ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس گھرانے کو اپنی نعمتِ عظمیٰ کے لیے منتخب فرمالیا تھا۔ اور یہ اس لیے کہ اپنے زمانے میں اس کے لوگ تمام لوگوں

---

90 تفسیر طبری: (۳/۲۳۴)۔

91 تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباري: (۳/۳۰۶)، وتفسیر الطبري: (٦/ ۳۲۸)۔

سے زیادہ بہتر تھے۔اسی لیے تواللہ عزوجل نے تمام جہانوں سے انھی لوگوں کا انتخاب فرمایا تھا۔ یہ گھر والے اس دور میں تمام خیر وبرکت والے لوگوں سے زیادہ خیر وبرکت والے تھے۔[92]

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ ان آیات کے تحت رقم طراز ہیں:'' محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انھیں (حنہ بنت فاقوذ کو) اولاد نہیں ہوتی تھی۔ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چوغہ دے رہی ہے، توانھیں ولولہ اٹھا اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی اور خلوص کے ساتھ اللہ کو پکارا۔اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انھیں حمل ٹھہر گیا۔جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا، اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی۔ پھر اللہ سے دعا کی کہ میرے رب! تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما، تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے۔اب یہ معلوم نہ تھا کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی؟ جب بچہ پیدا ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام دے سکے، اس کے لیے تو لڑکا ہونا چاہیے۔تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری میں ظاہر کی کہ اللہ! میں تو اسے تیرے نام پر وقف کر چکی تھی، لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ہے۔آیت کے اس حصے کو (وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتُ) بھی پڑھا گیا ہے۔یعنی یہ قول بھی سیدہ حنہ کا ہی تھا کہ اللہ! تو خوب جانتا ہے میرے ہاں لڑکی ہوئی ہے۔اور 'تا' کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے۔یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہ خوبی معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے۔اور فرماتی ہیں کہ مرد وعورت برابر نہیں۔میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔[93]

سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ صاحبہ پھر اپنی بچی کو اور اس کی ہونے والی اولاد (عیسیٰ علیہ السلام) کو شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ام مریم کی اس دعا کو بھی قبول فرما لیا۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ہر بچے کو شیطان اس کی پیدائش کے وقت ٹھوکا دیتا ہے، اسی وجہ سے وہ چیخ کر رونے لگتا ہے۔ لیکن سیدہ

92 تفصل کے لیے دیکھیے: تفسیر طبری: (۲۳۴/۳)۔

93 تفسیر ابن کثیر: (۵۷۸/۱) [اردو]۔

مریم اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام اس سے بچے رہے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: (وَإِنِّي أُعِيذُها بِكَ وَذُرِّيَّتَها مِنَ الشَّيْطانِ الرَّجِيمِ.)[٩٤] طبری کی روایت میں ہے: ایک یا دو دھکے مارتا ہے۔[95] ایک حدیث میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا ہی ذکر ہے کہ شیطان نے انھیں بھی دھکا مارنا چاہا، لیکن انھیں دیا ہوا ٹھوکا پردے میں لگ کر رہ گیا۔[96، 97]

قارئینِ کرام! غور کیجیے کہ اس عظیم خاتون کا عقیدہ کس قدر مضبوط تھا کہ اپنی نذر والے لفظ "إنَّ" کے تاکیدی کلمے کے ساتھ اللہ عز و جل کے ہاں شدید رغبت کے ذریعے اس نذر کو پیش کیا اور اپنی اس گزارش میں اللہ کے دو پیارے عظیم ناموں [السمیع العلیم] کا وسیلہ بھی پیش کیا۔ وہ رب العالمین کی ذات اقدس پر یقین کامل رکھتی تھیں۔ یہ ان کے اخلاص کا ہی ثمرہ تھا کہ اللہ عز و جل نے ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور ان کا اور ان کی اولاد کا ذکر خیر قیامت تک باقی رکھا۔

(ا) فائدہ: اس ماں نے اپنے بیٹے کے لیے دعا کی۔ دعا کا مدعا یہ تھا کہ ان کا بیٹا اللہ کی عبادت کے لیے تمام جھمیلوں سے آزاد اور پوری طرح فارغ ہو اور وہ بیت المقدس کی خدمت کو انجام دے۔ ہر ماں کو چاہیے کہ جب وہ اپنے بچوں کے لیے دعا کرے تو نیکی اور اللہ کے دین کی خدمت کی دعا کرے۔ دوسری چیزیں تو ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ ماں کو بچوں کو دعا دینے کے سلسلے میں ہوشیار رہنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہلاکت و بربادی کی بددعا دے دے اور وہ واقع ہو جائے۔

94- صحیح بخاری: (۴۵۴۸)، و صحیح مسلم (۱۴۶)۔

95 تفسير الطبري: (٣/ ٢٤٠)۔

96 صحیح بخاری : (۳۸۸۶)۔

97 دیکھیے: تفسیر ابن کثیر: (۲۹/۲)۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ماں

پہلے یہ بات واضح کر دیں کہ ام عیسیٰ سیدہ مریم بنت عمران علیہا السلام کا ذکر قرآن حکیم میں باقی دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ آیا ہے۔ چنانچہ گیارہ سورتوں میں ان کا نام چونتیس بار ذکر ہوا ہے اور یہ واحد خاتون ہیں جن کا نام قرآن میں مذکور ہوا ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ عفت و عصمت اور شرم گاہوں کی حفاظت اپنے اندر ایک عظیم مرتبہ و شان رکھتی ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس بات کا اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾ [النور:۳۰] ''مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔ وہ جو کارروائیاں کرتے ہیں، اللہ ان سب سے پوری طرح باخبر ہے۔''

اسی طرح اللہ کریم نے اپنی مومن و مسلم بندیوں کو بھی حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلاَ يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلاَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ [النور:۳۱] ''اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔''

شرم گاہ کی حفاظت سے دل کو شیطان سے سلامتی اور نفس کو طہارت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور مومن بندیوں کے لیے قرآنِ حکیم میں ایک ایسی عورت کی مثال بیان فرمائی ہے، جس نے اپنی عفت و عصمت کی

حفاظت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی عزت کو نہایت محفوظ رکھا اور اپنے تمام اعمال کو اپنے رب کے لیے خالص کر دیا۔ اس پاک دامن خاتون کا نام نامی سیدہ مریم بنت عمران علیہا السلام ہے۔

اس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے: ﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلآئِكَةُ يَامَرْيَمُ إِنَّ اللّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاء الْعَالَمِين........وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالإِنجِيل} [آل عمران:۴۲-۴۸] ''اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ : اے مریم ! بے شک اللہ نے تمھیں چن لیا ہے، تمھیں پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا جہان کی ساری عورتوں میں تمہیں منتخب کر کے فضیلت بخشی ہے۔ اے مریم! تم اپنے رب کی عبادت میں لگی رہو، اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع بھی کیا کرو۔ (اے پیغمبر !) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تمھیں دے رہے ہیں۔ تم اس وقت ان کے پاس نہیں تھے، جب وہ یہ طے کرنے کے لیے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا؟ اور نہ اس وقت تم انکے پاس تھے جب وہ (اس مسئلے میں) ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے۔

(وہ وقت بھی یاد کرو) جب فرشتوں نے مریم سے کہا تھا کہ : اے مریم! اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے ایک کلمے کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، جو دنیا اور آخرت دونوں میں صاحب وجاہت ہوگا، اور (اللہ کے) مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ اور وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے بات کرے گا اور بڑی عمر میں بھی، اور راست باز لوگوں میں سے ہوگا۔

مریم نے کہا: پروردگار! مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو جائے گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں؟ اللہ نے فرمایا: اللہ اسی طرح جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ ''ہو جا'' بس وہ ہو جاتا ہے۔ اور وہی (اللہ) اس کو (یعنی عیسیٰ ابن مریم کو) کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دے گا۔''

اللہ عزوجل نے سیدہ مریم علیہا السلام کی پاک دامنی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

{وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ} [الأنبياء:۹۱]

''اور اس خاتون کو دیکھو جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونکی، اور انھیں اور ان کے بیٹے کو دنیا جہان کے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔''

جیسا کہ پیچھے بیان ہوا کہ زوجۂ عمران ام مریم رضی اللہ عنہا نے مریم اور اس کی بعد میں ہونے والی اولاد کو شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہوئے ان کو اللہ کی پناہ میں دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور یہی وجہ ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام ولادت کے وقت سے ہی اللہ کی حمایت و تائید میں رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صالح نشو و نما کے لیے بہترین اسباب بھی پیدا فرمائے۔'' حنہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ نے بخوبی قبول فرما لیا اور اسے بہترین طور سے نشو و نما بخشی۔ ظاہری خوبی بھی عطا فرمائی اور باطنی خوبی سے بھرپور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تاکہ علم، خیر اور دین سیکھ لیں۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل بنایا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اس لیے کہ سیدہ مریم علیہا السلام یتیم ہو گئی تھیں۔ لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ سیدنا زکریا علیہ السلام نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں وجوہات اتفاقاً آپس میں مل گئی ہوں۔ واللہ اعلم۔

اللہ کے حکم سے مریم کے زکریا علیہ السلام کے زیرِ کفالت آنے میں خود مریم کی سعادت مندی پوشیدہ تھی، تاکہ وہ ان سے بہت زیادہ علم نافع اور عمل صالح حاصل کر سکیں اور اس لیے بھی کہ زکریا علیہ السلام ان کی خالہ کے شوہر تھے جیسا کہ ابن اسحاق اور ابن جریر وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زکریا علیہ السلام ان کے بہنوئی تھے، جیسا کہ معراج والی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سیدنا یحییٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات کی جو

دونوں خالہ زاد بھائی ہیں۔[98] ابن اسحاق کے قول پر بھی یہ حدیث ٹھیک ہے، کیوں کہ اصطلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہہ دیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ سیدہ مریم اپنی خالہ (اور خالو) کی پرورش میں تھیں۔[99]

غور کیجیے! کہ اس خاتون کی ہر لحاظ سے کس قدر اچھی تربیت ہوئی ہوگی، جو سیدنا زکریا علیہ السلام جیسے اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور صالح بندے کی پرورش میں شروع سے ہی رہی ہوں گی۔

یہ اللہ کی مہربانی تھی کہ ان کی تربیت کامل ترین حال میں ہو۔ چنانچہ اللہ کی عبادت کرتے کرتے ان کی عمر بڑھی اور وہ دوسری عورتوں سے فائق ہو گئیں۔ وہ اپنے رب کی عبادت کے لیے وقف ہو گئیں اور اپنی محراب یعنی نماز کی جگہ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگیں۔ ''جب کبھی زکریا (علیہ السلام) ان کے حجرے میں جاتے، تو ان کے پاس روزی رکھی ہوئی پاتے۔'' جس میں ان کی محنت و مشقت شامل نہیں تھی۔ بل کہ یہ رزق انھیں اللہ نے کرامت کے طور پر عطا فرمایا۔ زکریا علیہ السلام نے فرمایا: (أنى لك هذا؟) ''یہ روزی تمھارے پاس کہاں سے آئی؟'' وہ جواب دیتیں: ''یہ اللہ کے پاس سے ہے۔'' یہ اس کا فضل و احسان ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دے۔ یعنی جہاں سے بندے کو گمان بھی نہ ہو اور بغیر محنت کھانے کا بند و بست فرما دے۔[100] (۱)

سورۂ آل عمران کی مذکورہ بالا آیات کے اسلوب سے یہ پتا لگانا بالکل آسان اور عیاں ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام ہمیشہ اللہ عزوجل کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں۔ آگے چل کر انھی مریم بتول رضی اللہ عنہا کے بطن سے اللہ کے ایک برگزیدہ اور اولو العزم رسولوں میں سے ایک رسول نے جنم لیا جس کی تفصیل اللہ نے یوں بیان فرمائی

---

[98] صحیح بخاری: (۳۸۸۷)۔

[99] تفسیر ابن کثیر: (۱/۵۸۰۔۵۸۱)۔

[100] تفسیر السعدی: (۱۲۹)۔

:﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا......... مَا كَانَ لِلَّهِ أَن يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُون} [مريم:۱۶–۳۵] ''اور اس کتاب میں مریم کا تذکرہ کرو۔ اس وقت کا تذکرہ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر اس جگہ چلی گئیں جو مشرق کی طرف واقع تھی۔ پھر انھوں نے ان لوگوں کے اور اپنے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔ اسموقع پر ہم نے انکے پاس اپنی روح (یعنی ایک فرشتے) کو بھیجا جوان کے سامنے ایک مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مریم نے کہا: میں تم سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں اللہ کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ) فرشتے نے کہا: میں تو تمھارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اور اس لیے آیا ہوں) تاکہ تمھیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا: میرے یہاں لڑکا کیسے ہو جائے گا، جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے، اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں؟ فرشتے نے کہا: ایسے ہی ہو جائے گا۔ تمھارے رب نے فرمایا ہے کہ: یہ میرے لیے ایک معمولی بات ہے۔ اور ہم یہ کام اس لیے کریں گے تاکہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنائیں، اور اپنی طرف سے رحمت کا مظاہرہ کریں۔ اور یہ بات پوری طرح طے ہو چکی ہے۔

پھر ہوا یہ کہ مریم کو اس بچے کا حمل ٹھہر گیا، (اور جب ولادت کا وقت قریب آیا) تو وہ اس کو لے کر لوگوں سے الگ ایک دور مقام پر چلی گئیں۔ پھر زچگی کے درد نے انھیں ایک کھجور کے درخت کے پاس پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگیں: کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی، اور مر کر بھولی بسری ہو جاتی! پھر فرشتے نے انکے نیچے ایک جگہ سے انھیں آواز دی کہ: غم نہ کرو، تمھارے رب نے تمھارے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، اس میں سے پکی ہوئی تازہ کھجوریں تم پر جھڑیں گی۔ اب کھاؤ، اور پیو، اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ اور اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ: آج میں نے (اللہ) رحمن کے لیے ایک روزے کی منت مانی ہے، اس لیے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔

پھر وہ اس بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ: مریم! تم نے تو بڑا غضب ڈھا دیا۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تمھارا باپ کوئی برا آدمی تھا، نہ تمھاری ماں کوئی بدکار عورت تھی! اس پر مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: بھلا ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی پالنے میں پڑا ہوا بچہ ہے؟۔ (اس پر) بچہ بول

اٹھا کہ : میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے، اور نبی بنایا ہے، اور جہاں بھی میں رہوں، مجھے بابرکت بنایا ہے، اور جب تک زندہ رہوں، مجھے نماز اور زکاۃ کا حکم دیا ہے، اور مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے، اور مجھے سرکش اور سنگ دل نہیں بنایا۔ اور (اللہ کی طرف سے) سلامتی ہے مجھ پر اس دن بھی جب میں پیدا ہوا، اور اس دن بھی جس دن میں مروں گا، اور اس دن بھی جب مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

یہ ہیں عیسیٰ بن مریم! ان (کی حقیقت) کے بارے میں سچی بات یہ ہے جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنائے، اس کی ذات پاک ہے۔ جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس سے یہ کہتا ہے کہ: ہو جا، چنانچہ وہ جاتی ہے۔''

علاوہ ازیں احادیث صحیحہ میں بھی سیدہ مریم علیہا السلام کی فضیلت و تعریف بیان کی گئی ہے، جن میں سے بعض یوں ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: (خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ)[101] '' مریم بنت عمران (اپنے زمانے میں) سب سے بہترین خاتون تھیں اور اس امت کی سب سے بہترین خاتون سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔'' نیز سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ، كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ: إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ)[102] ''عورتوں پر عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کھانوں پر ثرید کی۔ مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہو گزرے ہیں، لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کے سوا اور کوئی کامل پیدا نہیں ہوئی۔''

اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

---

[101] ۔ صحیح بخاری: (۳۴۳۲)، صحیح مسلم: (۲۴۳۰)۔

[102] ۔ صحیح بخاری: (۳۴۱۱)، صحیح مسلم: (۲۴۳۱)۔

(۱)فائدہ: یہ ایک عبادت گزار اور نمازی ماں تھیں، جنھوں نے اپنی نگاہوں کو نیچا رکھا اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی اور جن کی کفالت کرنے والے بھی ایک نیک شخص تھے؛ بے شک ان تمام اچھی باتوں کا اثر بچوں پر پڑتا ہے۔

باب سوم

چند عظیم محدثین کی استانیاں

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

ام لمؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہما کی شادی کم سنی میں ہی کائنات کے رہبر اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوئی۔ ''نبی ﷺ کی کثرت ازواج اور خصوصاً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس کم سنی کی شادی میں بڑی مصلحت یہ تھی کہ اگرچہ آپ ﷺ کے دائمی فیضان صحبت نے سینکڑوں مردوں کو سعادت کے اعلیٰ درجے پر پہنچا دیا تھا، لیکن فطرتاً یہ موقع عام عورتوں کو میسر نہیں آسکتا تھا۔ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن اس فیض سے متمتع ہو سکتی تھیں اور پھر یہ نور آہستہ آہستہ انھی ستاروں کے ذریعے سے پوری کائنات نسوانی میں پھیل سکتا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات بیوہ ہو کر آپ ﷺ کے حبالۂ عقد میں داخل ہوئی تھیں۔ اس بنا پر ان میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تنہا خالص فیضانِ نبوت سے مستفیض تھیں۔ لڑکپن کا زمانہ جو عین تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے، ابھی شروع ہوا ہی تھا کہ سعادت نے ظلمت اور نقص کمال کے ہر گوشے سے الگ کر کے کاشانۂ نبوت میں پہنچا دیا کہ ان کی ذات اقدس پر نور اور کامل بن کر دنیا کی نصف لطیف آبادی کے لیے شمع راہ بن جائے۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سارے قریش میں علم انساب و شعر کے ماہر تھے۔[103] قریش کے شاعروں کے جواب میں اسلام کے زبان آور شاعر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ چوٹی کے جو شعر کہتے تھے، کفار کو یقین نہیں آتا تھا کہ وہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اصلاح و مشورے کے بغیر لکھے گئے ہیں۔[104] سیدہ عائشہ نے اسی باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اس لیے علم انساب کی واقفیت اور شاعری کا ذوق ان کا خاندانی ورثہ تھا۔

---

[103] دیکھیے: صحیح مسلم: (۲۴۹۰)۔

[104] الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب: (۳۴۲/۱)۔

سیدناابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کی تربیت میں نہایت سخت تھے۔ایک دفعہ اپنے بیٹے عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کواس جرم پر کہ انھوں نے مہمان کو جلد کھانا کیوں نہیں کھلایا؟ مارنے کو تیار ہو گئے تھے۔[105] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا شادی کے بعد بھی اپنی لغزشوں پر باپ سے ڈرا کرتی تھیں۔ چنانچہ کئی موقعوں پر سیدناابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو سخت تنبیہ کی۔[106] ایک دفعہ آپ ﷺ کے سامنے یہ موقع پیش آیا، توآپ ﷺ نے ان کو بچالیا۔[107]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت کا اصلی زمانہ رخصتی کے بعد سے شروع ہوتا ہے، انھوں نے اسی زمانے میں پڑھنا سیکھا، قرآن دیکھ کر پڑھتی تھیں۔[108] ایک روایت میں ہے کہ لکھنا نہیں جانتی تھیں۔[109] احادیث میں ہے کہ سیدہ عائشہ کے لیے ان کا غلام ابویونس قرآن لکھتا تھا۔[110]

بہر حال نوشت و خواند تو انسان کی ظاہری تعلیم ہے۔ حقیقی تعلیم و تربیت کا معیار اس سے بدرجہا بلند ہے۔ انسانیت کی تکمیل، اخلاق کا تزکیہ، ضروریاتِ دین سے واقفیت، اسرارِ شریعت سے آگہی، کلام الٰہی کی معرفت، احکام نبوی کا علم ہی اعلیٰ تعلیم ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس تعلیم سے کامل طور پر بہرہ مند تھیں۔علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ، ادب اور طب میں بھی ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ جناب عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "میں نے حلال و حرام ، علم و شعر اور طب کا ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ جانکار کسی کو نہیں دیکھا۔[111]

[105] دیکھیے: صحیح بخاری: (٦٠٢)۔

[106] صحیح مسلم:(١٤٦٢)۔

[107]۔ سنن ابوداود:(٤٩٩٩)۔

[108] صحیح بخاري:(٤٩٩٣)۔

[109] بلاذري فصل خط۔

[110]۔مسند احمد: (٢٤٤٤٨)۔

[111] مستدرک علی الصحیحین:(٦٧٣٣)۔

تاریخ وادب کی تعلیم تو خود پدرِ بزرگوار سے حاصل کی تھی۔[112] طب کا فن ان وفودِ عرب سے سیکھا تھا جو گاہے گاہے اطرافِ ملک سے بارگاہِ نبوت میں آیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ عمر کے اخیر دنوں میں اکثر بیمار رہا کرتے تھے، اطبائے عرب جو دوائیں بتایا کرتے تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو یاد کرلیتی تھیں۔[113]

علوم دینیہ کی تعلیم کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا۔ معلم شریعت خود گھر میں تھے اور شب و روز ان کی صحبت میسر تھی۔ آپ ﷺ کی تعلیم وارشاد کی مجلسیں روزانہ مسجدِ نبوی میں منعقد ہوتی تھیں، جو حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالکل ملحق تھی، اس بنا پر آپ ﷺ گھر سے باہر بھی لوگوں کو جو درس دیتے تھے وہ اس میں شریک رہتی تھیں۔ اگر کبھی بُعد کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہ آتی، تو آپ ﷺ جب زنان خانے میں تشریف لاتے، دوبارہ پوچھ کر تشفی کرلیتیں۔[114] کبھی اٹھ کر مسجد کے قریب چلی جاتیں۔[115] اس کے علاوہ آپ ﷺ نے عورتوں کی درخواست پر ہفتے میں ایک خاص دن ان کی تعلیم و تلقین کے لیے متعین فرمادیا تھا۔[116]

شب و روز میں علوم و معارف کے بیسیوں مسئلے ان کے کان میں پڑتے تھے۔ ان کے علاوہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عادت یہ تھی کہ ہر مسئلے کو بے تامل آپ ﷺ کے سامنے پیش کردیتی تھیں اور جب تک تسلی نہ ہولیتی صبر نہ کرتیں۔[117, 118]

[112] مسند احمد: (٦/٦٧)۔
[113] المستدرک علی الصحیحین: (٦٧٣٧)۔
[114] مسند عائشہ: (٧٧)۔
[115] مسند عائشہ: (١٥٩)۔
[116] صحیح بخاری: (١٠١)۔
[117] دیکھیے: صحیح بخاری: (١٠٣)۔
[118] سیرت عائشہ: (٣١-٣٣) بتصرف۔

درس گاہِ نبوی سے تعلیم حاصل کرنے والی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس علم کی کما حقہ اشاعت بھی فرمائی اور ایسے جلیل القدر محدثین ان کے شاگرد بن گئے، جو رہتی دنیا تک آسمانِ علم کے چمکتے ستاروں کی حیثیت سے زندہ رہیں گے۔ "علم کی ایک خدمت یہ بھی ہے کہ اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے، اور اس سے تزکیۂ نفوس اور اصلاح امت کا کام لیا جائے۔ آپ ﷺ کا حکم ہے: (فلیبلغ الشاهد الغائب)[119] "جو حاضر ہو وہ غائب تک پہنچائے۔" سوال پیدا ہوتا ہے کیا عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ فرض ادا کیا؟ ذیل کی سطور میں آپ رضی اللہ عنہا کی عظیم اور جلیل القدر تعلیمی خدمات کو ہم صفحۂ قرطاس کے سپرد کریں گے، جس سے قارئین کرام پر حقیقت بالکل بے غبار ہو کر سامنے آجائے گی۔ علم کی اشاعت اور تعلیم کو جو مردوں کی مخصوص صفت قرار دیتے ہوں، وہ آکر دیکھیں کہ حرمِ نبوت کی یہ شمعِ مبارک اس بزم میں کس طرح جلوہ افروز ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں علم کی اشاعت اور اسلام کی دعوت کے لیے پھیل گئے تھے۔ مکہ معظمہ، طائف، بحرین، یمن، دمشق، مصر، کوفہ اور بصرہ وغیرہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان مقدس معلمین کی ایک ایک مختصر جماعت قیام پذیر تھی۔ خلافت اور حکومت کا سیاسی مرکز ۲۷ برس کے بعد مدینہ منورہ سے کوفہ اور پھر دمشق کو منتقل ہو گیا، تاہم مدینہ منورہ کی روحانی عظمت اور علمی مرکزیت ان انقلابات سے بھی مٹ نہ سکی۔ مدینہ پاک میں اس وقت سیدنا ابن عمر، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابن عباس اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کی مستقل درس گاہیں قائم تھیں، لیکن درس گاہ اعظم مسجد نبوی ﷺ کا وہ گوشہ تھا جو حجرۂ نبوی کے قریب اور زوجۂ رسول ﷺ کے مسکن کے پاس تھا۔

لڑکے، عورتیں اور جن مردوں کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پردہ نہ تھا، وہ حجرے کے اندر آکر مجلس میں بیٹھتے تھے[120]۔ دیگر افراد حجرے کے سامنے مسجد نبوی میں بیٹھتے۔ دروازے پر پردہ پڑا رہتا، پردے کی اوٹ میں خود

---

[119]۔ صحیح بخاری: (۱۷۳۹)۔

[120] دیکھیے: مسند احمد: (۲۴۴۳۰)۔

بیٹھ جاتیں۔ لوگ سوالات کرتے یہ جوابات دیتیں۔[121] کبھی کوئی سلسلۂ بحث چھڑ جاتا اور استاد شاگرد اس خاص موضوع پر گفتگو کرتے۔[122] کبھی خود کسی مسئلے کو چھیڑ کر بیان کرتیں اور لوگ خاموشی کے ساتھ سنتے۔ اپنے شاگردوں کی زبان، طرزِ ادا اور صحتِ تلفظ کی بھی سخت نگرانی کرتی تھیں۔ ایک دفعہ قاسم اور ابن ابی عتیق کہ دونوں بھتیجے تھے، مگر دو الگ الگ ماؤں سے تھے، خدمتِ بابرکت میں پہنچے۔ قاسم کی زبان صاف نہ تھی، اعراب میں غلطیاں کرتے تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو ٹوکا اور فرمایا: تم ایسی زبان کیوں نہیں بولتے جیسی میرا یہ برادر زادہ بولتا ہے؟ ہاں، سمجھ گئی، اس کو اس کی ماں نے اور تم کو تمھاری ماں نے تعلیم دی ہے۔ قاسم کی ماں کنیز تھی۔[123]

ان عارضی طالب علموں کے علاوہ جو کبھی کبھی حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے، وہ خاندانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو اور شہر کے یتیم بچوں کو اپنی آغوشِ تربیت میں لیتی تھیں اور ان کی تعلیم و تربیت کرتی تھیں۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ غیر لڑکوں کو جو گو بڑے ہو چکے ہوں، اپنی بہنوں اور بھانجیوں سے دودھ پلواتی تھیں اور خود ان کی رضاعی خالہ یا نانی بن کر ان کو اندر آنے کی اجازت دیتی تھیں۔[124] جن کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی یعنی محرم نہ تھے، وہ افسوس کرتے تھے کہ ہم کو حصول علم کا اچھی طرح موقع نہیں ملتا۔ قبیصہ کہتے تھے کہ عروہ مجھ سے علم میں اس لیے آگے بڑھ گئے کہ وہ اندر جاتے تھے۔[125] امام (ابراہیم) نخعی رحمہ اللہ جو عراق کے متفق علیہ امام تھے، وہ لڑکپن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، ان کے دوسرے معاصرین کو اس پر رشک تھا۔[126]

[121] دیکھیے: صحیح بخاری: (۱۷۷۶)، ومسند احمد: (۲۵۲۳۸)۔

[122] مسند احمد: (۷۵/۲)۔

[123] صحیح مسلم: (۵۶۰)۔

[124] صحیح مسلم: (۱۴۵۳، ۱۴۵۴)۔ اس مسئلے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا منفرد تھیں۔ (تفصیل کے لیے شروحاتِ حدیث کی طرف رجوع فرمائیں۔)

[125] تہذیب التہذیب: (۱۸۲/۷، ۴۳۵/۱۲)۔

[126] تذکرۃ الحفاظ: (۱/ ۵۹)، ومسند احمد: (۲۵۳۹۵)۔

معمول تھا کہ ہر سال حج کو جاتیں، اسلام کا وسیع دائرہ سال میں ایک دفعہ سمٹ کر ایک نقطے پر جمع ہو جاتا تھا۔ کوہ حرا اور ثبیر کے درمیان سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ نصب ہوتا[127]۔ تشنگانِ علم جوق در جوق دور دراز ممالک سے آکر حلقۂ درس میں شریک ہوتے۔ مسائل پیش کرتے تھے، اپنے شبہات کا ازالہ چاہتے۔[128] لوگ بعض مسائل کو پوچھتے ہوئے جھجک محسوس کرتے تو وہ ڈھارس بندھاتیں۔ ایک صاحب[129] ایک بات پوچھنا چاہتے تھے، لیکن شرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جو تم اپنی ماں سے پوچھ سکتے تھے، مجھ سے بھی پوچھ سکتے ہو۔ یہی واقعہ ایک دفعہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی گزرا، ان کو بھی یہی جواب دیا: میں تو تمھاری ماں ہوں[130]۔ اور حقیقتًا وہ اپنے شاگردوں کو ماں ہی بن کر تعلیم دیتی تھیں۔ عروہ، قاسم، ابو سلمہ، مسروق، عمرہ اور صفیہ کی تعلیم و تربیت انھوں نے اسی مادرانہ شفقت کے ساتھ کی تھی۔ وہ اپنے بعض شاگردوں کے ساتھ وہ برتاؤ کرتی تھیں کہ ان کے عزیزوں کو رشک آتا تھا۔

مستفیدین اور تلامذہ کی تعداد کم نہ تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگردوں کو کئی محدثین کرام نے بڑے ہی عمدہ اہتمام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصابہ میں عزیزوں، غلاموں، صحابیوں اور تابعیوں کی الگ الگ فہرست دی ہے۔

چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حسب ذیل اشخاص ہیں: سیدنا ابو موسیٰ اشعری، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابن عمر، سیدنا ابن عباس، سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا زید بن خالد جہنی، سیدنا ربیعہ بن عمرو الجبشی، سیدنا سائب بن یزید اور سیدنا حارث بن عبد اللہ وغیر ہم رضی اللہ عنہم۔

---

[127] طبقات ابن سعد: (۲۲۶/۵)۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری: (۱۶۱۸)، اور طبقات ابن سعد: (۵۴/۸) میں خیمے کی جگہ وادیٔ ثیر کے جوف میں بتائی گئی ہے۔ شاید ہر سال جگہ بدل بدل کر خیمہ نصب کیا جاتا رہا ہو۔

[128] دیکھیے: صحیح بخاری: (۳۲۱)، و صحیح مسلم: (۳۳۵)۔

[129] مسند احمد: (۲۶۲۸۹)۔

[130] مسند احمد: (۲۴۶۵۵)۔

غلاموں میں ابو یونس، ذکوان ابو عمرو اور ابو لبابہ مروان کا ذکر تو طبقاتِ ابن سعد[131] میں ہی ہے۔ ابن فرخ کا نام تہذیب میں ہے۔ ان کے علاوہ ابو مدلہ مولیٰ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ترمذی[132] میں ہے، اور ابو یحی اور ابو یوسف نام مسند[133] میں ہے۔ ان غلاموں میں ذکوان اور ابو یونس زیادہ مشہور ہیں۔ مسند[134] میں عبد اللہ بن یزید رضیع عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر بھی ملتا ہے۔ رجال کی کتابوں میں بھی اسی قدر مذکور ہے، ان بزرگ کا زیادہ حال معلوم نہیں۔

عزیزوں میں ام کلثوم بنت ابی بکر؛ ان کی بہن، عوف بن حارث؛ رضاعی بھائی، قاسم بن محمد اور عبد اللہ بن محمد؛ دونوں بھتیجے، حفصہ بنت عبد الرحمن اور اسماء بنت عبد الرحمن؛ دونوں بھتیجیاں اور عبد اللہ بن عتیق بن محمد بن عبد الرحمن بن ابی بکر؛ ان کے بھائی کے پرپوتے، عبد اللہ بن زبیر اور قاسم بن زبیر؛ دونوں بھانجے، عائشہ بنت طلحۃ؛ ان کی بھانجی اور عباد بن حبیب اور عباد بن حمزہ؛ بھانجے کے پوتے، ان کے علاوہ اور بہت سے اعزہ و اقارب کے لڑکے ان کی آغوش تربیت کے پروردہ تھے، جن کی تفصیل طبقات ابن سعد میں دیکھی جاسکتی ہے۔

تابعین میں سے ان عہد کے تمام علمائے حدیث ان کے خوشہ چین ہیں۔ سب کی تفصیل کے لیے کئی صفحات کی ضرورت ہوگی، اس لیے قلم انداز کرتے ہیں۔

ان تمام مستفیدین و مسترشدین میں وہ ارباب کمال جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے آغوش تربیت میں پل کر جوان ہوئے اور حلقۂ محدثین میں وہ اسی حیثیت سے ممتاز ہیں کہ وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خزانۂ علم کے کلید بردار سمجھے جاتے ہیں، حسب ذیل ہیں:

---

[131] دیکھیے: (۲۲۶/۵-۲۲۷)۔

[132] دیکھیے سنن ترمذی: (۳۵۹۸) کے تحت۔

[133] مسند احمد: ۲۵۸/۶، ۶۷)۔

[134] مسند احمد: (۳۲/۶)۔

عروہ:

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے، سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے فرزند، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے؛ عروہ اپنی خالہ کے بڑے پیارے تھے۔ انھی کی گود میں پرورش پائی۔ مدینے میں فضل و کمال کے تاج دار تھے۔ امام زہری وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ فن سیرت میں امام سمجھے جاتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرویات اور فقہ و فتاویٰ کا عالم ان سے بڑا کوئی نہ تھا۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔

قاسم بن محمد:

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پوتے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے؛ قاسم بھی اپنی پھوپی ہی کی آغوشِ تربیت میں پلے تھے اور بچپن سے ہی مذہبی تعلیم پائی تھی۔ بڑے ہو کر مدینے کے امام الفقہ ہوئے۔ مدینے میں فقہائے سبعہ کی جو مجلس تھی اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔ روایت حدیث میں سخت محتاط تھے، ایک ایک حرف کی احتیاط کرتے تھے۔ ۱۰۸ھ میں انتقال ہوا۔

ابو سلمہ:

ابو سلمہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے۔ کم سنی ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی پرورش کی۔ یہ عروہ کے ہم سر سمجھے جاتے تھے۔ مدینے کی بارگاہ علمی کے ایک مسند نشین یہ بھی ہیں۔ بڑے بڑے محدثین نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔

مسروق:

مسروق کوفی تھے، لیکن خانہ جنگیوں میں شریک نہ ہوئے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "تذکرہ" میں لکھا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو متبنیٰ کیا تھا۔ طبقات ابن سعد[135] میں ہے کہ ایک دفعہ وہ ملنے آئے تو ام

---

[135] (۶/۱۴۱)۔

المؤمنین نے ان کے لیے شربت بنوایا۔ فرمایا کہ میرے بیٹے کے لیے شربت بناؤ۔ ابن حنبل نے مسند میں اور بخاری نے جامع میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی اکثر روایتیں لکھی ہیں۔ فقہائے عراق میں شمار ہوتے تھے۔ بڑے زاہد اور عبادت گزار تھے۔ کوفہ میں قضا کی خدمت انجام دیتے تھے، لیکن معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ ۶۳ھ میں وفات پائی۔

عمرہ:

عورتوں میں سب سے پہلے عمرہ بنت عبدالرحمن کا نام لینا چاہیے۔ ان کا تفصیلی ذکر عنقریب آئے گا۔

صفیہ:

خانہ کعبہ کے کلید بردار شیبہ کی صاحب زادی صفیہ مشہور تابعیہ تھیں۔ تمام حدیث کی کتابوں میں ان سے روایتیں ہیں۔ ان کا ذکر کتبِ احادیث میں (صفية بنت شيبة صاحبة عائشة ﷺ) ''شیبہ کی لڑکی صفیہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شاگردِ خاص یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحبت یافتہ'' کے طور پر ملتا ہے۔[136] لوگ ان سے مسائل اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں پوچھنے آتے تھے۔ چنانچہ محمد بن عبید بن ابی صالح کہتے ہیں: ''میں عدی بن عدی الکندی کے ساتھ حج کو نکلا۔ جب ہم مکہ پہنچے، تو مجھ کو اس نے صفیہ بنت شیبہ کی خدمت میں بھیجا، صفیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیثیں یاد کر رکھی تھیں۔''[137]

---

[136] مسند احمد: (۲۷۶/۶) وطبقات ابن سعد: جزء نساء۔

[137]۔ دیکھیے: سنن أبي داود: (۲۱۹۳)، اور مسند احمد کی روایت (۲۶۳۶۰) میں یہ لفظ ہے: (فَبَعَثَنِي إِلَى صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ بْنِ عُثْمَانَ صَاحِبِ الْكَعْبَةِ أَسْأَلُهَا عَنْ أَشْيَاءَ، سَمِعَتْهَا مِنْ عَائِشَةَ.....)۔

کلثم:

کلثم بنت عمرو القرشیہ ، رجال کی کتابوں میں ان کے نام کے ساتھ بھی "صاحبة عائشة" کا لقب لکھا جاتا ہے۔ بعض حدیثیں ان سے بھی مروی ہیں۔

عائشہ بنت طلحہ:

عائشہ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نواسی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھانجی تھیں۔ خالہ کی گود میں پلی بڑھیں۔ ابن معین ان کی نسبت کہتے ہیں: (ثقة حجة)، عجلی کے الفاظ ہیں: (مَدَنِية تابعية ثقة). ابو زرعہ دمشقی کا قول ہے: (حدث عنها الناس لفضلها وأدبها). "لوگوں نے ان کی بزرگی اور ان کا ادب دیکھ کر ان سے حدیث روایت کی۔" ام المؤمنین ان سے بڑی محبت کرتی تھیں، اسی کا اثر تھا کہ لوگ بھی ان کی خاطر داری کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق وہ ام المؤمنین کی میر منشی تھیں۔ لوگ انھی کے توسط سے تحفے اور خطوط سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجتے تھے۔[138]

معاذہ:

معاذہ بنت عبد اللہ العدویہ کا وطن بصرہ تھا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے تلمذ تھا اور کتبِ احادیث میں ام المؤمنین کی حدیثیں ان کی زبانی بھی کثرت سے مروی ہیں۔ بڑی عبادت گزار تھیں۔[139]،[140]

---

[138] الأدب المفرد: (۱۱۱۸)۔

[139] تہذیب التہذیب: (۴۵۲/۱۲)۔

[140] اس موضوع سے متعلق تمام معلومات کتبِ رجال خصوصاً: طبقات ابن سعد اور تہذیب التہذیب لابن حجر سے ماخوذ ہیں۔ نیز دیکھیے: سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا: (۲۲۴۔۲۳۱) بتصرف۔

مذکورہ بالا بحث سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی خدمات کی چند جھلکیاں قارئین کرام پر واضح ہو جاتی ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امت محمدیہ کی تمام خواتین کو اپنی اس عظیم ماں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔ (۱)

(۱)فائدہ: عائشہ رضی اللہ عنہا نے بچپن سے ہی نبوت کے گھرانے میں پرورش پائی، جس کے سبب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے مردوں سے بھی زیادہ استفادہ کیا۔وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کا حجرہ مسجد سے جڑا ہوا تھا،اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے دروس بھی براہِ راست سن لیتی تھیں اور پھر جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو جو بات سمجھ میں نہ آئی ہوتی،اس کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت بھی کر لیتی تھیں،اسی طرح بہت سے عام و خاص معاملات کے بارے میں بھی سوالات کیا کرتی تھیں۔انھوں نے علم طب اور تاریخ وغیرہ کا علم بھی رسول اللہ ﷺ اور اپنے والد رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ علم کی نشر و اشاعت کے لیے بالکل فارغ ہو گئی تھیں، جس کا بہت اچھا اثر صحابہ،اولادِ صحابہ اور تابعین پر پڑا۔وہ سب کے سب ان کے بیٹے تھے، کیوں کہ وہ تمام مومنین کی ماں ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے شاگرد چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں، کی عام و خاص معاملات میں کامل تربیت فرماتی تھیں،ان معاملات میں بھی جن کے بارے میں سوال کرتے ہوئے لوگ عام طور پر شرم محسوس کرتے ہیں۔اس طرح ان کے ہاتھوں بہت سے علماء و عالمات تیار ہو کر نکلے، جنھوں نے ساری دنیا میں دینِ اسلام کی اشاعت کی۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ نے ۷ھ میں نکاح فرمایا تھا، آپ رضی اللہ عنہا آخری خاتون تھیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا تھا۔[141] آپ رضی اللہ عنہا برگزیدہ خواتین میں سے تھیں۔ آپ کے متعلق عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: بے شک وہ (میمونہ) ہم میں سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ رکھنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی خواتین میں سے ایک تھیں۔[142]

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے حرم نبوی میں رہ کر علم نافع کی صورت میں اپنے اندر خیر کثیر جمع فرما لیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے چند جلیل القدر علماء کے اسمائے گرامی یوں ہیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن شداد بن الهاد، عبید بن السباق، عبدالرحمن بن السائب الهلالی، یزید بن الأصم، کریب مولیٰ ابن عباس، آپ کے دو آزاد کردہ غلام؛ سلیمان بن یسار اور ان کے بھائی عطاء بن یسار اور ان کے پہلے اور چوتھے بھانجے غیرہم۔[143]

آپ کی مرویات میں سے سات احادیث متفق علیہ ہیں، ایک صرف صحیح بخاری میں اور پانچ صرف صحیح مسلم میں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کل تیرہ حدیثیں روایت کی ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کی وفات امام ذہبی کی ترجیح کے مطابق ۵۱ھ میں ہوئی۔[144] بوقتِ وفات آپ کی عمر اسی یا اکیاسی سال تھی اور اس وقت بھی آپ صحت مند اور قوی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کا جنازہ اٹھایا اور دیگر

---

[141] طبقات ابن سعد: (۸/۱۰۵)۔

[142] سیر اعلام النبلاء: (۲/۲۴۴)۔

[143] - سیر اعلام النبلاء: (۲/ ۲۳۹)۔

[144] سیر اعلام النبلاء: (۲/ ۲۴۵)۔

جنازہ اٹھانے والوں سے فرما رہے تھے کہ انھیں ذرا آہستگی سے لے چلو، اس لیے کہ یہ تمھاری ماں ہیں، یہاں تک کہ مقام سرف میں ان کو دفن کر دیا۔[145]

[145] طبقات ابن سعد: (۱۱۱/۸)۔

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام ہند بنت ابی امیہ تھا اور آپ ﷺ نے ان کو ۴ھ میں اپنے حرم میں داخل کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں سے زیادہ خوب صورت اور نسب کے اعتبار سے بھی اشرف تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا شمار فقہاء صحابیات میں ہوتا ہے اور آپ پہلے پہل ہجرت کرنے والے صحابہ وصحابیات میں سے ایک تھیں۔ آپ کی اولاد صحابہ میں سے ہیں۔ ان میں دو بیٹے عمر اور سلمہ اور ایک بیٹی زینب رضی اللہ عنہم ہیں۔

آپ نے احادیث کا ایک مجموعہ روایت کیا ہے۔ آپ کے شاگردوں میں اپنے دور کے بڑے بڑے علماء اور فقہاء بھی آتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یوں ہیں: سید التابعین سعید بن المسیب، شقیق بن سلمہ، الاسود بن یزید، الشعبی، ابو صالح السمان، مجاہد، نافع بن جبیر بن مطعم، آپ رضی اللہ عنہا کا آزاد کردہ غلام نافع مولی ابن عمر، عطاء بن ابی رباح، شہر بن حوشب اور ابن ابی ملیکہ وغیرہم۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ۳۷۸ کے قریب احادیث بیان کیں، جن میں ۱۳ متفق علیہ ہیں، نیز ۳ صرف صحیح بخاری میں اور ۱۳ صرف صحیح مسلم میں ہیں۔

آپ تقریباً نوے سال زندہ رہیں۔ آپ کی وفات امام ذہبی رحمہ اللہ کے بقول ۶۱ھ میں ہوئی۔[146] آپ نے امہات المؤمنین میں سب سے آخر میں وفات پائی۔

قارئین کرام! آپ غور کیجیے کہ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کس قدر علم اور تفقہ فی الدین سے سرشار شخصیت تھیں کہ ان کے مکتب سے سعید بن المسیب، امام

146۔ انظر: سیر اعلام النبلاء: (۲۰۲/۲)۔

مجاہد، امام نافع اور امام عطاء بن ابی رباح وغیرہم جیسے جلیل القدر اور اپنے فن کے ائمہ نکلے۔
فرضی اللہ عنھا وارضاھا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اقتدا کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۱) فائدہ: ہماری امی جان ام سلمہ رضی اللہ عنہا عمدہ رائے اور اچھے مشورے کی مالک تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے بہت سے واقعات ہیں۔ انھی میں سے ایک اس وقت کا واقعہ ہے جب صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ حلق کرانے کے حکم کو نہ ماننے کی وجہ سے، صحابہ پر ناراض ہو گئے تھے، تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ خود سے حلق کا آغاز کر دیجیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو حلق کراتا دیکھ صحابہ بھی لپک کر حلق کرانے لگے۔ اسی طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ بھیجا، جو آپ نے بھرے مجمعے میں نوش فرمایا، جس سے سارے صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ آپ روزے سے نہیں ہیں۔

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا

آپ کا نام فاختہ بنت ابی طالب بن عبد المطلب تھا اور آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے سیدہ ام ہانی جو کہ رسول اللہ ﷺ کی چچازاد بہن تھیں، کے لیے ''السيدة الفاضلة'' جیسے عظیم القاب استعمال کیے ہیں۔ آپ سیدنا علی اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہما کی بہن تھیں۔ آپ کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی سے ہوا تھا، لیکن وہ فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس سے آپ رضی اللہ عنہا کے یہ اولاد ہوئیں: عمرو، جعدہ، ہانی اور یوسف۔[147] وہ فتح مکہ کے روز ایمان سے سرفراز ہوئیں۔

نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں داخل ہوئے اور وہاں آٹھ رکعت نماز ضحیٰ ادا فرمائی۔[148]

آپ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے کئی احادیث روایت کیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بھی علم دین کی خدمت کرتے کرتے گرامی قدر اور برگزیدہ ائمہ دین کو پیدا کیا۔ ان کے شاگردوں میں سے بعض کے اسمائے گرامی یوں ہیں: ان کا پوتا جعدہ، ان کا آزاد کردہ غلام ابو صالح باذام، کریب مولیٰ ابن عباس، عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ، مجاہد بن جبر، عطاء بن ابی رباح اور عروہ بن زبیر وغیرہم۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔[149]

آپ رضی اللہ عنہا نے تقریباً ۴۶ حدیثیں روایت کیں، جن میں سے ایک حدیث متفق علیہ ہے۔[150]

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا ۵۰ ھ کے بعد تک زندہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں۔[151]

---

[147] دیکھیے: طبقات ابن سعد: (۴۶/۸)۔

[148] صحیح بخاری: (۱۱۷۶)۔

[149] - سیر اعلام النبلاء: (۳۱۲/۲)۔

[150] - سیر اعلام النبلاء: (۳۱۴/۲)۔

[151] سیر اعلام النبلاء: (۳۱۳/۲)۔

سیدہ ام الدرداء الصغریٰ

سیدہ ام الدرداء الصغریٰ رحمہا اللہ کا نام ہجیمہ الاوصابیۃ الدمشقیۃ تھا۔[152] امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو "*السیدۃ، العالمۃ، الفقیہۃ*" جیسے عالی مرتبت القاب سے یاد کیا ہے۔ انھوں نے اپنے شوہر ابوالدرداء ، سلمان فارسی، کعب بن عاصم الاشعری، سیدہ عائشہ، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور ایک جماعت سے بہت سارا علم حاصل کیا۔

آپ رحمہا اللہ نے چھوٹی ہی عمر میں سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر قرآن مجید پیش کیا۔ آپ رحمہا اللہ نے لمبی عمر پائی اور علم و عمل اور دنیا سے بے رغبتی میں مشہور ہوئیں۔

آپ رحمہا اللہ نے بھی اپنے پیچھے تلامذہ کا جم غفیر چھوڑ کر اپنے لیے کافی صدقہ جاریہ جمع کیا ہے۔ ان کے شاگردوں کے اسمائے گرامی یوں ہیں: جبیر بن نفیر، ابو قلابہ الجرمی، سالم بن ابی الجعد، رجاء بن حیوۃ، یونس بن میسرہ، مکحول، عطاء الکیخارانی، اسماعیل بن عبید اللہ بن ابی المہاجر، زید بن اسلم، ابو حازم الاعرج، ابراہیم بن ابی عبلہ اور عثمان بن حیان المری۔[153]

سیدہ ام الدرداء رحمہا اللہ کے متعلق ان کے شاگرد، جلیل القدر امام مکحول شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سیدہ ام الدرداء فقیہ خاتون تھیں۔" جناب عون بن عبد اللہ بیان فرماتے ہیں: "ہم سیدہ ام الدردا (رحمہا اللہ) کے پاس آکر اللہ کو یاد کرتے تھے۔"[154]

[152] سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں کی کنیت ام الدرداء تھی۔ ام الدرداء کبریٰ صحابیہ تھیں اور ام الدرداء صغریٰ صحابیہ نہیں، بلکہ تابعیہ تھیں۔

[153] - سیر اعلام النبلاء: (۲۷۷/۴)۔

[154] - سیر اعلام النبلاء: (۲۷۸/۴)۔

سیدہ ام الدرداء رحمہا اللہ نے ۸۱ھ میں حج بھی فرمایا۔[155] آپ چھ مہینے بیت المقدس میں اور چھ مہینے دمشق میں قیام فرماتی تھیں۔ آپ کی وفات ۸۱ھ کے بعد ہوئی۔[156]

مذکورہ بالا بحث سے اس بات کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدہ ام الدرداء رحمہا اللہ عالمہ، فقیہہ اور فاضلہ خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ، عبادت اور زہد میں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ فرحمۃ اللہ علیہا رحمۃ واسعۃ۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر محمد اکرم ندوی نے اپنی انگریزی کتاب "Al-Muhaddithat" کے صفحہ نمبر دس پر بنو امیہ کی اس مسجد کی تصویر بھی دکھائی ہے جو دمشق میں تھی اور جہاں پر سیدہ ام الدرداء رحمہا اللہ درس دیا کرتی تھیں۔ تفصیل کا طالب اس کتاب کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

---

[155]- سیر اعلام النبلاء: (۲۷۹/۴)۔

[156] تہذیب التہذیب: (۴۶۶/۱۲)۔

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا

ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا نام نسیبہ بنت حارث یا نسیبہ بنت کعب تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ یہ وہی (عظیم) خاتون ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی دختر نیک اختر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔

آپ کے تلامذہ کے نام یوں ہیں: (امام) محمد بن سیرین، ان کی بہن حفصہ بنت سیرین، ام شراحیل، علی بن الاقمر، عبدالملک بن عمیر اور اسماعیل بن عبدالرحمٰن وغیرہم۔

آپ کی احادیث کتبِ ستہ میں موجود ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا ۷۰ کے حدود تک زندہ رہیں۔[157]

قارئین کرام! اس خاتون کے علم و فضل کا کیا کہنا جس کے تلامذہ میں امام محمد بن سیرین اور حفصہ بنت سیرین جیسی مایہ ناز ہستیوں کے نام گرامی موجود ہوں!

[157] سیر اعلام النبلاء: (۲/۳۱۸)۔

عمرہ بنت عبد الرحمٰن

جب جب سیدہ عائشہ کے زیرِ سایہ تربیت پانے والی اہلِ علم خواتین کا ذکر کیا جائے گا تو سب سے پہلے عمرہ بنت عبد الرحمن کو یاد کیا جائے گا۔ یہ مشہور صحابی اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ ن کی پوتی تھیں۔ عورتوں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت کی سب سے بہتر مثال ہیں۔ محدثین ان کا نام عظمت سے لیتے تھے۔ ابن المدینی رحمہ اللہ کا قول ہے، جس کو صاحبِ تہذیب نے نقل کیا ہے: ''عمرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کی ثقہ اور مستند جاننے والوں میں ایک تھیں۔'' اسی کتاب میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی مذکور ہے: ''وہ (عمرہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کو سب سے بہتر جاننے والوں میں سے ایک تھیں۔'' سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مستند ترین حدیث وہ ہے جو عمرہ، قاسم اور عروہ کے واسطے سے آئے۔''

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم قاضی مدینہ، جن کو جناب عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی جمع و تدوین کا حکم دیا تھا؛ وہ انھی کے بھانجے تھے اور اسی بنا پر اس خدمت کے لیے ان کا انتخاب ہوا تھا۔ چنانچہ اس فرمان کا ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ ''عمرہ کی تمام حدیثیں لکھ کر بارگاہِ خلافت میں بھیجی جائیں۔''[158] خالہ اپنے قاضی بھانجے کی اجتہادی غلطیوں کی اصلاح کرتی تھیں۔[159]

سیدہ عمرہ رحمہا اللہ نے سیدہ عائشہ، ام سلمہ، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم اور اپنی بہن ام ہشام بنت حارثہ سے حدیث کی روایت کی۔

آپ رحمہا اللہ کے تلامذہ میں آپ کا لڑکا ابو الرجال محمد بن عبد الرحمٰن، ان (ابو الرجال) کے بیٹے حارثہ اور مالک، آپ (رحمہا اللہ) کا بھانجا قاضی ابو بکر بن حزم، ان کے بیٹے عبد اللہ، محمد اور الزہری، یحیٰ بن سعید الانصاری وغیر ہم۔ (رحمہم اللہ اجمعین)۔

---

158 تھذیب التھذیب (۱۲/ ۴۳۹)۔

159 المؤطا، کتاب الحدود والسرقۃ، باب مالا قطع فیہ، (۲/۸۴۰)۔

عمرہ رحمہا اللہ بہت زیادہ علم رکھنے والی عالمہ، فقیہہ اور حجت (دلیل) تھیں۔ جناب ابن شہاب (الزہری) قاسم بن محمد (رحمہ اللہ) سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے مجھ سے فرمایا: اے لڑکے! میں تمھیں طلبِ علم کا حریص دیکھتا ہوں۔ کیا میں تمھیں علم کے برتن کی طرف رہ نمائی نہ کروں؟ (ابن شہاب کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ انھوں نے فرمایا: تم عمرہ (بنت عبدالرحمٰن) کے پاس جاؤ، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی تربیت یافتہ ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں: جب میں (عمرہ) کے پاس آیا، توان کو بحر بے کراں پایا۔[160]

آپ کی احادیث کتب احادیث، بلکہ تمام دواوین اسلام میں بکثرت مروی ہیں۔[161]

ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے: بعض نے ۹۸ھ کو، جب کہ بعض نے ۱۰۶ کو ان کا تاریخ وفات بتایا ہے۔

امید ہے کہ قارئین کرام پر امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا قول سے یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو کر سامنے آ گئی ہو گی کہ سیدہ عمرہ رحمہا اللہ بالکل علم کا سمندر تھیں اور انھوں نے تشنگانِ علم کو خوب سیراب کیا، جس کی وجہ سے ان کے مکتب سے بڑے بڑے فاضل علماء وائمہ پیدا ہوئے۔ فرحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ۔

---

[160] تذکرۃ الحفاظ: (۱/ ۸۵)۔

[161] سیر اعلام النبلاء: (۴/۵۰۷-۵۰۸)۔

سیدہ حفصہ بنت سیرینؒ

ان کی کنیت ام ہذیل ہے اور یہ محمد بن سیرین (رحمہ اللہ) کی بہن ہیں۔[162]

انھیں اپنے برادر جناب یحیٰ، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ام عطیہ الانصاریۃ، رباب ام الرائح، ابوالعالیہ، ابوذبیان خلیفہ بن کعب، ربیع بن زیاد الحارثی، خیرہ ام الحسن البصری، سلمان بن عامر وغیرہم سے شرف تلمذ حاصل ہے۔[163]

محترمہ حفصہ بنت سیرین رحمہا اللہ نے اپنے اندر کس قدر علم وفضل کو جمع کیا ہوگا، اس کا اندازہ ان کے اجلہ اور فضلاء و فاضلات اساتذہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ جب ہم ان کے شاگردوں کا تتبع کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ حقیقت بالکل منکشف ہو جاتی ہے کہ انھوں نے اس علم کی تبلیغ کا حق ادا کیا اور ''بلغوا عني ولو آية[164]'' کی عملی تصویر بن گئیں۔

آپ رحمہا اللہ کے تلامذہ میں آپ کے برادر محترم جناب محمد (بن سیرین)، (امام) قتادہ، ایوب، خالد الحذاء، ابن عون اور ہشام بن حسان کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

جناب ایاس بن معاویہ بیان فرماتے ہیں: ''میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کو میں ان (حفصہ) پر فضیلت دوں۔ انھوں نے بارہ برس کی عمر میں قرآن کریم پڑھ لیا تھا۔ آپ ستر سال زندہ رہیں۔'' تو لوگوں نے ان کے سامنے جناب حسن (بصری) اور ابن سیرین رحمہا اللہ کا ذکر کیا، تب بھی انھوں نے اپنی بات پر قائم رہتے ہوئے وہی الفاظ دہرائے: ''جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں تو کسی کو بھی ان (حفصہ) پر فوقیت نہیں دیتا۔''[165]

---

[162] طبقات ابن سعد: (۸/ ۳۵۲)۔

[163] تہذیب التہذیب: (۴۰۹/۱۲)۔

[164] صحیح بخاری: (۳۴۶۱)۔

[165] سیر اعلام النبلاء: (۵۰۷/۴)۔

جناب عاصم احول، حفصہ بنت سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "تم کون سی بیماری میں مرنا پسند کرتی ہو؟" میں نے کہا: " طاعون میں، کیوں کہ وہ ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔"[166]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول محترمہ حفصہ بنت سیرین رحمہا اللہ کی وفات ۱۰۱ھ میں ہوئی[167]۔ فرحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ۔

[166] طبقات ابن سعد: (۳۵۲/۸)۔

[167] تہذیب التہذیب: (۴۱۰/۱۲)۔

شہدہ بغدادیہؒ

فخر النساء شہدہ بنت ابی نصر احمد بن عمر بغدادیہ چھٹی صدی ہجری کی شہرۂ آفاق محدثہ و کاتبہ گزری ہیں۔ آپ کی پیدائش اور وفات بغداد میں ہوئی۔ آپ اپنے دور کے ممتاز علماء میں سے ایک تھیں۔ فن خوش نویسی (کتابت) میں ان کو کافی مہارت تھی۔ شہدہ رحمہا اللہ عالی سند کی حامل تھیں، جس میں وہ اپنے اصاغر کو اکابر کے ساتھ ملاتی تھیں۔

آپ رحمہا اللہ کے اساتذہ میں ابو الخطاب نصر بن احمد البطر، ابو عبد اللہ الحسین بن احمد بن طلحہ النعالی، طرّاد بن محمد الزینبی، ابو الحسن علی بن حسین بن ایوب، ابو الحسین احمد بن عبد القادر بن یوسف اور فخر الاسلام ابو بکر محمد بن احمد شاشی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ [168]

آپ رحمہا اللہ کے تلامذہ میں مندرجۂ ذیل اساطین علم و فن کے نام قابل ذکر ہیں: ابُو القاسم ابن عساکر، ابو سعد السمعانی، ابو محمد عبد الغنی، عبد القادر الرہاوی، عبد العزیز بن الاخضر، ابو الفرج ابن الجوزی، ابو محمد محمد ابن قدامہ، العماد ابراہیم بن عبد الواحد، البہاء عبد الرحمٰن، شہاب بن راجح، قاضی ابو صالح الجیلی، الناصح بن الحنبلی، الفجر الاربلی، عبد الرزاق بن سکینہ، شیخ الشیوخ ابو محمد حَمویہ، اعز بن عُلیق، ابراہیم بن الخیر، ابو الحسن بن حُمّیزی، ابو القاسم بن قمیرہ، محمد بن مقبل بن المنی اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ۔ [169]

ابن الدبیثی فرماتے ہیں: "(شہدہ) جلیل القدر، دین دار، تقویٰ شعار اور عبادت گزار خاتون تھیں۔"

نیز ابن الجوزی رحمہ اللہ اپنی استانی کے متعلق فرماتے ہیں: میں نے ان سے بہت سی حدیثیں پڑھیں۔ آپ خوش خط تھیں۔ آپ خلیفہ کے کسی وکیل کی زوجیت میں آگئیں، اپنے گھر میں اہلِ علم کے ساتھ رہیں۔ آپ بھلائی اور

---

[168] وفیات الأعیان: (۴۷۷/۲)۔

[169] تاریخ الِاسلام از ذہبی: (۵۳۸/۱۲)۔

خیر کے کام کرنے والی تھیں۔ ان پر سالوں احادیث پڑھی گئیں اور طویل عمر پائی، یہاں تک کہ ان کی عمر سو سال کے قریب پہنچی۔ آپ کی وفات بغداد میں ۱۳ محرم ۵۷۴ھ بہ روز اتوار، عصر کے بعد ہوئی۔[170]

اس موقع پر جب میں اپنے دور کے طبقۂ نسواں کی علمی بے سر و سامانی کو دیکھتی ہوں، تو دل کی عمیق گہرائیوں سے ایک درد بھری آہ نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام مسلمان خواتین کو سلف صالحین کے سنہرے نقوش پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

[170] ایضاً

کریمہ مروزیہؒ

ام الکرام کریمہ مروزیہ کا شمار پانچویں صدی ہجری کی شہرہ آفاق عالمات و محدثات میں ہوتا ہے۔ان کے والد کا نام احمد بن محمد بن حاتم تھا۔(ایران کے شہر) مرو میں پیدا ہوئیں۔

آپ نے ابو الہیثم الکُشمَیهني سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔ان کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں زاہر بن احمد سرخسی اور عبد اللہ بن یوسف بن بامویہ اصبہانی کے نام قابل ذکر ہیں۔آپ رحمہا اللہ ذہین، فطین، صاحب علم و بصیرت اور عبادت گزار خاتون تھیں۔[171]

آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے اساطین علم و فن کے نام ملتے ہیں، جس سے آپ کی علمی بصیرت اور تبحر و تعمق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔آپ کے تلامذہ میں امام خطیب بغدادی، ابو الغنائم نرسی، ابو طالب حسین بن محمد الزینبی، محمد بن برکات السعیدی، علی بن الحسین الفراء، عبد اللہ بن محمد بن صدقہ بن غزال، ابو القاسم علی بن ابراہیم النسیب، ابو المظفر منصور بن السمعانی وغیر ہم کے نام آتے ہیں۔[172]

امام خطیب بغدادی نے ۴۶۳ھ کے موسم حج کے دوران پانچ دن میں ان سے صحیح بخاری کا سماع کیا۔[173] آپ عالی سند کی حامل تھیں۔ان کے علاوہ محمد بن حسین ابو یعلیٰ السراج الہمذانی کے متعلق بھی آیا ہے کہ انھوں نے بھی کریمہ بنت احمد سے مکہ مکرمہ میں صحیح بخاری کا سماع کیا تھا۔[174]

جناب ابو بکر بن منصور السمعانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب (ابو المظفر السمعانی) کو کریمہ (بنت احمد) کا ذکر کرتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے: ''کیا کسی نے کریمہ جیسا کوئی اور دیکھا ہو گا؟''[175]

---

[171] سیر اعلام النبلاء: (۱۸/ ۲۳۳)۔

[172] سیر اعلام النبلاء: (۱۸/۲۳۴، ۱۲۱/۱۹)۔

[173] سیر اعلام النبلاء: (۱۸/ ۲۷۷)۔

[174] المنتظم في تاریخ الملوک والأمم: (۱۶/ ۲۸۰)۔

آپ رحمہا اللہ نے اپنے آپ کو خدمت علم کے لیے وقف کر دیا تھا، چنانچہ پوری عمر شادی نہ کر کے اس برگزیدہ، صالحہ، طاہرہ اور عفیفہ خاتون نے مکہ مکرمہ میں حرم مبارک کو لازم پکڑا اور وہیں درس دیتی رہیں۔ تاریخ ابن الوردی کے مطابق آپ کا انتقال بھی (تقریباً سو سال کی عمر میں) مکہ میں ہی ہوا۔ مصدر مذکور میں ہے: ''عالی سند کی حامل، صحیح بخاری کی راویہ کریمہ بنت احمد بن محمد مروزیہ کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا۔''[176] فرحمۃ اللہ علیہا رحمۃ واسعۃ۔

[175]- سیر اعلام النبلاء: (۱۸/ ۲۳۴)۔

[176]تاریخ ابن الوردی: (۱/۳۶۳)۔

باب چہارم

چند عظیم مجاہدین کی مائیں

سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا

سیدہ خنساء کا اصلی نام تماضر بنت عمرو بن شرید تھا۔ یہ خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے قبیلے بنو سلیم کے ساتھ حاضر ہو کر ایمان لائی تھیں۔ آپ ﷺ اس خاتون سے شعر خوانی کی فرمائش کرتے اور ہاتھ کے اشاروں سے ان کی شاعری کی تحسین بھی فرماتے تھے۔

آغاز کار میں خنساء دو تین اشعار سے زیادہ نہ کہتی تھیں، لیکن جب ان کے سگے بھائی معاویہ کو ہاشم اور زید المریان نے قتل کر دیا اور بعد میں ان کے باپ شریک بھائی صخر کو بھی مار دیا گیا، تو خنساء کے اندر شاعری کے چشمے ابل پڑے اور وہ اپنے دونوں بھائیوں کے فصیح و بلیغ مرثیے لکھنے لگیں، جس کے نتیجے میں لوگوں پر ان کی شاعری کا جادو چل گیا اور شعراء و ناقدین بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

خنساء کو دونوں مقتول بھائیوں میں صخر زیادہ عزیز تھا، کیوں کہ وہ بردبار، سخی اور قبیلے کا محبوب تھا۔ وہ بنو اسد سے جنگ کرتے ہوئے ابو ثور الاسدی کے نیزے کا شکار ہوا تھا، سال بھر بسترِ علالت پر پڑے رہنے کے بعد آخر کار جان کی بازی ہار گیا۔

صخر کے بارے میں خنساء کے اشعار ملاحظہ فرمائیں:

أعيني جودا ولا تجمدا   ألا تبكيان لصخر الندى؟

ألا تبكيان الجريء الجميل؟   ألا تبكيان الفتى السيدا؟

طويل العماد عظيم الرما   د ساد عشيرته أمردا

’’اے میری آنکھو! خوب برسو اور خشک مت پڑو۔ کیا تم سخاوت کی چٹان (صخر) پر آنسو نہیں بہاؤ گی؟ کیا تم بہادر و خوب صورت اور جوان رعنا سردار پر نہیں روؤ گی؟ اس سردار پر جس کے عَلَم اونچے ہیں، جس کے ہاں راکھ کا ڈھیر لگا رہتا ہے اور جسے لڑکپن میں ہی قبیلے کی سیادت مل گئی تھی۔‘‘

مزید کہتی ہیں:

أشم أبلج يأتم الهداة به　　　كأنه علم في رأسه نار

وإن صخرا لمولانا وسيدنا　　　وإن صخر إذا نشتوا لنحار[١٧٧]

"اس کی ناک اونچی اور پیشانی روشن ہے، سردارانِ قوم بھی اسے اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔ گویا وہ ایسا شخص ہے جس کے سر میں آگ ہے۔ بلاشبہ صخر ہمارا دوست اور ہمارا سردار تھا اور بلاشبہ جب لوگ تکلیف میں ہوتے تو صخر ان کے لیے اونٹ ذبح کر دیتا تھا۔"

اہلِ فن کا اس بات پر اجماع ہے کہ خنساء سے پہلے اور ان کے بعد ان جیسے اشعار کہنے والا پیدا نہیں ہوا۔

لیکن یہی خاتون بعد میں ایسی عظیم اور بہادر مجاہدہ ثابت ہوئیں کہ اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ معرکۂ قادسیہ میں موجود تھیں۔ انھوں نے جنگ پر روانہ ہونے سے ایک رات پہلے اپنے بیٹوں کو مخاطب کر کے کہا: "اے میرے بیٹو! تم نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا ہے اور اپنی رضا سے ہی ہجرت کی ہے۔ اللہ وحدہ لا شریک لہ گواہ ہے کہ تم سب ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت کے بیٹے ہو۔ میں نے تمھارے باپ کے ساتھ خیانت نہیں کی، نہ تمھارے ننھیال کو شرمندہ کیا، نہ تمھارے حسب کو رسوا کیا اور نہ تمھارے نسب کی توہین کی۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اللہ نے کفار سے جنگ لڑنے والے مسلمانوں کے لیے، آخرت میں کتنا عظیم اجر مقرر فرمایا ہے۔

اور خوب اچھی طرح جان لو کہ دارِ باقی دارِ فانی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ)[178] "اے مومنو! صبر کرو، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہو، آپس میں ملے جلے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم مراد پاسکو۔"

177- الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: (۱۰۹/۸- ۱۱۰)۔

178- آل عمران (۲۰۰)۔

پھر جب تم کل صبح اللہ کی مشیت سے بخیریت جاگو، تو بصیرت کو اپناتے ہوئے اور اللہ سے مدد مانگتے ہوئے، دشمن سے لڑنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ جب تم دیکھو کہ لڑائی اچھی طرح بھڑک گئی ہے، تلواریں آگ کے شعلوں کی طرح چمک رہی ہیں اور میدانِ جنگ کے اطراف پر آگ برس رہی ہے، تو اس کی بھڑکتی آگ میں کود پڑو اور جب لشکر آمادۂ پیکار ہو، تو دشمن کے پہلوانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ اس سے تمھیں دارالخلد والمقامہ میں انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔"

دوسرے دن ان کے بیٹے ماں کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے میدان جنگ میں اترے اور دشمن کی طرف مردانہ وار بڑھے۔ وہ چاروں لڑتے جاتے تھے اور رجز پڑھتے جاتے تھے، آخر کار چاروں بھائی خلعِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ جب شیر دل ماں کو اطلاع ملی تو "اناللہ" پڑھنے کے بجائے ان کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہوئے: "ساری تعریف اس اللہ کو جس نے مجھے ان کی شہادت سے سرفراز کیا۔ مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ وہ ہمیں اپنی رحمت کے ٹھکانے (جنت میں) اکھٹا کرے گا۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے، سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کو ان کے چاروں بیٹوں کی طرف دو سو درہم فی کس دیتے رہے۔[179] (۱)

سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا نے جنگ قادسیہ کے سات سال بعد ۲۴ھ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ ایک روایت کے مطابق بعہدِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کسی بادیہ میں سفر آخرت اختیار کیا۔[180] واللہ اعلم۔

---

[179] دیکھیے: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: (۴/۱۸۲۷-۱۸۲۹)۔

[180] دیکھیے: ساٹھ باکمال خواتین: (۱۸)۔

(۱) فائدہ: اس ماں کی سیرت سے مستفاد ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے بچوں کے سامنے ان کی اصل اور جوہر کو کھول کر رکھ دیا اور ہجرت جیسے واجب اعمال کو انجام دیا، جن کا اثر عملِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے معاملے میں ان کے بچوں پر بھی پڑا۔

سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا

سیدہ عفراء بنت عبید الانصاریہ رضی اللہ عنہا کی شادی حارث بن رفاعہ بن حارث سے ہوئی اور ان سے معاذ ،معوذ اور عوف پیدا ہوئے۔ یہ تینوں جنگ بدر میں شریک ہوئے۔[181]

سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا مجاہدین اور شہدا کی والدہ تھیں۔ وہ اسلام کے ابتدائی دور کی ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت اور عالی ہمت صحابیہ ہیں، جنھوں نے بہادر بیٹوں کو جنم دیا اور جہاد کی محبت پر ان کی تربیت فرمائی۔ تاریخ نے ان بہادروں کی نسبت باپ کے بجائے ماں کی طرف کی اور وہ بہادر اس نسبت کو اپنے لیے فخر و شرف سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب بھی ان بہادروں میں سے کسی کا نام سیرت یا تاریخ کی کتاب میں نظروں کے سامنے آتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے فرزندار جمند ہیں۔ سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹوں کے نام سیدنا عوف بن عفراء، سیدنا معاذ بن عفراء اور سیدنا معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہم ہیں۔

غزوۂ بدر کا موقع آیا تو سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا نے اپنے تینوں بیٹوں کو میدان جنگ کی طرف روانہ کیا۔ معرکہ آرائی کے شروع میں تین مشہور و معروف جابر و ظالم مشرک آگے بڑھے، وہ تھے: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ بن ربیعہ۔ انھوں نے مقابلے میں آنے کا اعلان کیا تو انصار میں سے تین جواں مرد آگے بڑھے، جن میں دو تو سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے عوف اور معوذ رضی اللہ عنہما تھے اور تیسرے سیدنا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ مشرکین نے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم انصار کے چشم و چراغ ہیں۔ مشرکوں نے کہا: ہم تم سے مقابلہ کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ اس طرح قریشی شہسواروں نے اپنے رشتے دار مہاجرین کے علاوہ کسی اور کے ساتھ مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔[182]

---

[181]- الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (۸/ ۲۴۰)، طبقات ابن سعد: (۳۳۶/۸)۔

[182]- دیکھیے: صحیح سیرت نبوي: (۵۸۳/۱)، وسنن أبي داود (۲۶۶۵)، حدیث کو علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔

سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بدر کی لڑائی کے موقع پر میں صف میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو میری داہنی اور بائیں طرف دو جوان کھڑے تھے۔ ابھی میں ان کے متعلق کوئی فیصلہ بھی نہ کر پایا تھا کہ ایک نے مجھ سے چپکے سے پوچھا تاکہ اس کا ساتھی سننے نہ پائے: چچا جان! مجھے ابو جہل کو دکھا دو۔ میں نے کہا: بھتیجے! تم اسے دیکھ کر کیا کرو گے؟ اس نے کہا: میں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عہد کیا ہے کہ اگر میں نے اسے دیکھ لیا، تو یا اسے قتل کر کے رہوں گا یا پھر میں خود اپنی جان دے دوں گا۔ دوسرے نوجوان نے بھی اپنے ساتھی سے چھپاتے ہوئے مجھ سے یہی بات پوچھی۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت ان دونوں نوجوانوں کے درمیان کھڑے ہو کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میں نے اشارے سے انھیں ابو جہل کو دکھا دیا، جسے دیکھتے ہی وہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور فوراً ہی اسے مار گرایا۔ یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے[183]۔ یہ دونوں معاذ اور معوذ تھے۔

علاوہ ازیں سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا میں ایک ایسی خصوصیت پائی جاتی ہے، جو کسی اور خاتون میں نہیں پائی جاتی۔ انھوں نے حارث کے بعد بکیر بن یالیل لیثی رضی اللہ عنہ سے شادی کی اور چار مزید بیٹوں کو جنم دیا، جن کے نام ایاس، عاقل، خالد اور عامر ہیں۔ ان سب نے بھی جنگ بدر میں حصہ لیا۔ اسی طرح ان کے ماں جائے بھائی عوف، معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہم بھی جنگ بدر میں شریک ہوئے۔ ان تینوں کے والد کا نام حارث تھا۔ اس سے پتا یہ چلا کہ سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے ساتوں بیٹے نبی کریم ﷺ کے ہم راہ جنگ بدر میں شریک ہوئے۔[184]

اللہ تعالیٰ اس عظیم خاتون اور ان کی اولاد پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ رضی اللہ عنہم۔

---

[183]۔ صحیح بخاری: (۳۹۸۸)۔

[184]۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: (۸/ ۲۴۰)۔

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا

ان کا نام برکتہ اور کنیت ام ایمن ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی آزاد کردہ باندی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے والد کی میراث میں سے ام ایمن، پانچ فربہ اونٹ اور بکریوں کا ایک ریوڑ حاصل ہوا تھا۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا، تو اسی وقت ام ایمن کو آزاد فرما دیا تھا۔ پھر ان سے عبید بن زید حارثی نے نکاح کر لیا، جس سے ایمن نام کا بیٹا پیدا ہوا۔ ایمن کو شرف صحابیت حاصل ہوا اور وہ غزوۂ حنین میں شہید ہو گئے تھے۔ زید بن حارثہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے، جنھیں خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو بطورِ ہدیہ دے دیا تھا، جنھیں آپ ﷺ نے آزاد فرما دیا اور نبوت کے بعد ام ایمن کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، جس سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔[185]

سیدہ ام ایمن صاحب کرامت خاتون تھیں۔ جناب عثمان بن قاسم بیان کرتے ہیں کہ ام ایمن نے جب ہجرت کی تو روحاء سے کچھ پہلے منصرف کے مقام پر شام ہو گئی، وہ روزے سے تھیں، انھیں سخت پیاس لگی، لیکن ان کے پاس پانی نہ تھا۔ جب پیاس کی شدت انتہا کو پہنچ گئی، تو اتنے میں آسمان سے پانی بھرا ہوا ڈول ان پر لٹکا یا گیا، جس سے موتیوں کی مانند سفید قطرے ٹپک رہے تھے۔ ام ایمن نے اس میں سے پیا، یہاں تک کہ وہ سیراب ہو گئیں۔ فرماتی تھیں کہ اس کے بعد سے مجھے کبھی شدت کی پیاس محسوس نہیں ہوئی۔ میں سخت سے سخت دوپہر اور گرم ترین دن میں روزے سے ہوتی، لیکن وہ پانی پینے کے بعد کبھی پیاس کی تکلیف نہیں اٹھائی۔

جناب سفیان بن عقبہ سے مروی ہے کہ ام ایمن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتہائی لطف و مہربانی سے پیش آتیں اور آپ ﷺ کی خوب دیکھ بھال کرتی تھیں۔[186]

---

[185]۔ طبقات ابن سعد: (۱۶۷/۸)۔

[186]۔ طبقات ابن سعد: (۱۷۹/۸)۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا جہاں بہت سی خوبیوں کا معجون مرکب تھیں، وہیں شجاعت اور دلیری جیسی محمود خصلتوں کی بھی حامل تھیں۔ غزوۂ احد میں سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا ان خواتین کے ساتھ میدان جہاد کی طرف روانہ ہوئیں جو شریک جہاد ہونے کے لیے اپنے گھروں سے نکلی تھیں۔ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پیشِ نظر یہ تھا کہ زخمیوں کا علاج معالجہ کیا جائے، ان کی دیکھ بھال کی جائے اور مجاہدین کو پانی پلایا جائے۔ واقدی کہتے ہیں کہ غزوۂ احد میں سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج معالجہ کرتی تھیں۔ وہ غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئی تھیں۔[187]

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئیں۔ ان کے بیٹے ایمن رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں شریک نہ ہو سکے۔ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کو ان کا غزوۂ خیبر میں شریک نہ ہونا بڑا ناگوار گزرا۔ انھوں نے اپنے بیٹے ایمن رضی اللہ عنہ کو بزدل اور ڈرپوک کہ کر انھیں عار دلائی۔ حالاں کہ سیدنا ایمن رضی اللہ عنہ شہسوار صحابہ کرام میں سے تھے۔ بڑے بہادر اور نڈر جنگجو تھے۔ دراصل ان کا گھوڑا پانی میں ملا آٹا پی جانے کی وجہ سے بیمار ہو گیا تھا۔ سید نا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سیدنا ایمن کی بہادری کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

عَلَى حِينِ أَنْ قَالَتْ لِأَيْمَنَ أُمُّهُ ... جَبُنْتَ وَلَمْ تَشْهَدْ فَوَارِسَ خَيْبَرِ

وَأَيْمَنُ لَمْ يَجْبُنْ وَلَكِنَّ مُهْرَهُ ... أَضَرَّ بِهِ شُرْبُ الْمَدِيدِ الْمُخَمَّرِ

وَلَوْلَا الَّذِي قَدْ كَانَ مِنْ شَأْنِ مُهْرِهِ ... لَقَاتَلَ فِيهِمْ فَارِسًا غَيْرَ أَعْسَر

وَلَكِنَّهُ قَدْ صَدَّهُ فِعْلُ مُهْرِهِ ... وَمَا كَانَ مِنْهُ عِنْدَهُ غَيْرَ أَيْسَر[188]

"جب ایمن کی والدہ نے اسے کہا کہ تم بزدل ہو، تم خیبر کے شہسواروں کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ ایمن نے بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ دراصل اس کے گھوڑے نے پانی میں ملا ہوا آٹا کھا لیا تھا، جس سے اس آٹے

---

[187]- الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (۸/ ۳۶۱)، وطبقات ابن سعد: (۸/ ۱۸۰)۔

[188]- سیرۃ ابن ھشام ت السقا (۲/ ۳۴۷- ۳۴۸)۔

میں خمیرہ پیدا کرنا مقصود تھا۔ اگر اس کے گھوڑے کی یہ حالت نہ ہوتی تو وہ ضرور جنگ میں بہادری کے جوہر دکھلاتا۔ لیکن اس کے گھوڑے نے اسے بہادرانہ کردار ادا کرنے سے روک دیا تھا۔"

غزوۂ احد میں جب ابلیس نے یہ افواہ پھیلادی تھی کہ محمد (ﷺ) میدان احد میں شہید کر دیے گئے ہیں، تو یہ اندوہ ناک خبر سن کر لوگ افسردہ ہو کر بکھر گئے۔ بعض لوگ تو میدان چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے اور اپنے گھروں میں داخل ہو گئے۔ ان کی بیویاں ان سے کہنے لگیں: بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم محمد (ﷺ) کو میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا یہ صورت حال دیکھ کر غصے سے بپھر گئیں۔ وہ میدان چھوڑ کر مدینہ منورہ آنے والوں کے چہروں پر مٹی پھینکتے ہوئے کہتیں: یہ تم نے کیا کیا؟ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنا مردوں کا کام نہیں، تم گھروں میں بیٹھو، چرخہ کاتو، تلواریں ہمیں دو[189]۔ (ہم میدان میں دشمن کا مقابلہ کریں گی۔)

بلا شبہ یہ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا بہادرانہ موقف تھا۔ اتنا ہی نہیں ، بلکہ ان کا خاوند اور بیٹا ایک ہی سال میں جام شہادت نوش کر گئے اور سیدہ ام ایمن نے اپنے خاوند سیدنا زید بن حارثہ اور اپنے چہیتے بیٹے سیدنا ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اللہ تعالیٰ کے حضور ثواب کی نیت کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھا۔ یہ بلا شبہ ان کا مثالی کردار تھا۔ اب آیئے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ایمن رضی اللہ عنہ کی شہادت کی تفصیل کی طرف۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ موتہ (جو کہ جمادی الاولی ۸ھ کو وقوع پذیر ہوا) کے لشکر کا امیر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمادیا تھا کہ "اگر زید شہید ہو جائیں، تو جعفر امیر ہوں اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ

---

[189]۔ دلائل النبوۃ للبیھقي: (۳/ ۳۱۰-۳۱۱)۔

امیر ہوں۔"[190] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس جنگ میں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، لیکن ان کی شہادت پر سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کوئی حرفِ شکوہ زبان سے نہ نکالا، بلکہ صبر واحتساب کا پیکر بن کر بڑے ہی استقلال سے یہ صدمہ برداشت کیا۔

۸ھ ماہ شوال میں فتحِ مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حنین کی طرف رخ کیا۔ ہوازن مسلمانوں سے پہلے وادی حنین میں پہنچ گئے۔ انھوں نے میدان جنگ میں من پسند جگہیں قبضے میں کر لیں اور اپنے جنگی دستے وہاں کی وادیوں، گھاٹیوں اور درختوں میں پھیلا دیے۔ منصوبہ یہ تھا کہ مسلمان وادی حنین کی نشیبی جگہ پر اتریں، تو ان پر اچانک تیروں کی موسلا دھار بارش برسا دیں۔ چنانچہ جب مشرکین نے ہر طرف سے اچانک تیروں کی بارش کر دی تو مسلمانوں کی صفیں منتشر ہو گئیں اور حالات دگرگوں ہو گئے۔ اس اچانک اور ناگہانی آفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کا بڑا حصہ شکست کھا کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ ہر کوئی اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ اب میدان میں مشرکوں کے حملوں کا نشانہ صرف رسول اللہ ﷺ اور چند ایک مسلمان تھے۔[191]

سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سیدنا ایمن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سات مجاہدین میدان میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے رہے اور آٹھویں مجاہد نے داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا۔ سیدنا ایمن رضی اللہ عنہ ہی وہ آٹھویں مجاہد تھے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ایک شعر میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ہم سات آدمیوں نے دین میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کی، بعض لوگ جو بھاگے وہ بھاگ گئے اور آٹھویں شخص نے موت سے ملاقات کی۔ جو کچھ تکلیفیں ان کو دین میں پہنچیں، ان سے وہ دردمند نہیں ہوئے۔

---

[190]۔ صحیح بخاری: (۴۲۶۱)۔

[191]۔ السیرۃ النبویۃ للصلابی: (۷۸۳)۔

یہ سات آدمی (جو میدان جنگ میں ثابت قدم رہے) یوں ہیں: (۱) عباس، (۲) علی، (۳) فضل بن عباس، (۴) ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب، (۵) اسامہ بن زید، (۶) سیدنا ابو بکر، (۷) سیدنا عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔[192]

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے عہد مسعود میں بھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی قدر و منزلت والی خاتون تھیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آئیں سیدہ ام ایمن کی طرف چلیں، انھیں مل آئیں جس طرح رسول اللہ ﷺ ان سے ملنے جاتے تھے۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو وہ رو دیں۔ ان دونوں نے ان سے کہا: آپ کس بات پر روتی ہیں؟ جو اللہ کے پاس ہے اس کے رسول ﷺ کے لیے وہ بہتر ہے۔ وہ کہنے لگیں: میں اس لیے نہیں روتی کہ مجھے علم ہے کہ جو اللہ کے پاس ہے اس کے رسول کے لیے وہی بہتر ہے، بلکہ میں اس لیے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے ان دونوں کو بھی رلا دیا، وہ دونوں بھی ان کے ساتھ رونے لگے۔[193]

بنی نوع انسان کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کے ذریعے اللہ کی طرف سے خاکی انسانوں کے ساتھ ہم کلامی کا جو شرف حاصل تھا، ام ایمن رضی اللہ عنہا کو اس کی عظمت کا کما حقہ ادراک تھا، بلکہ انھوں نے ہی پہلی بار سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے عظیم المرتبت صحابہ کی توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کرائی۔ اپنی سادگی کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت، مامتا اور دلی تعلق کی بنا پر انھیں مقام رسالت سے آگاہی کا حصہ بخشا گیا۔ آپ ﷺ انھیں جو درجہ دیتے تھے وہ صحیح معنی میں اسی کی حق دار تھیں۔[194]

---

[192]۔ اسد الغابۃ: (۱/ ۱۸۹)۔

[193]۔ صحیح مسلم: (۲۴۵۴)۔

[194]۔ صحیح مسلم (اردو ترجمہ و مختصر فوائد: از پروفیسر محمد یحیٰ سلطان محمود جلال پوری): (۴/۲۰۷)۔

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، جناب ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ ماہ بعد فوت ہو گئیں۔[195] واقدی کہتے ہیں کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کی وفات عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی۔[196]

خلاصۂ کلام یہ کہ سیدہ ام ایمن کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف پیدل ہجرت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ زندگی بھر کثرت سے روزے رکھنے والی عظیم المرتبت خاتون تھیں۔ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کو سفر ہجرت کے دوران میں آسمان کی جانب سے سفید رسی کے ساتھ بندھا ہوا ڈول دکھائی دیا۔ انھیں بہت زیادہ پیاس لگی ہوئی تھی۔ آپ ڈول کے پانی سے خوب سیراب ہوئیں اور اسے پینے کے بعد زندگی بھر انھیں پیاس محسوس نہیں ہوئی۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

---

[195]۔ صحیح مسلم: (۱۷۷۱)۔

[196]۔ سیر اعلام النبلاء ط الرسالۃ (۲/ ۲۲۷)۔

سیدہ ام عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا سے زید بن عاصم رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور ان سے عبد اللہ اور حبیب دو بیٹے پیدا ہوئے۔ دونوں کو نبی کریم ﷺ کے صحابی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ سیدنا زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کے فوت ہو جانے کے بعد سیدنا غزیہ بن عمرو المازنی النجاری رضی اللہ عنہ، سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے اور ان سے بھی دو بچے ہوئے۔[197]

ام عمارہ رضی اللہ عنہا نہایت نڈر اور عالی ہمت خاتون تھیں۔ انھوں نے بیعت عقبہ والی رات آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ چنانچہ فرماتی ہیں کہ عقبہ کی رات مردوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ میں اور ام منیع باقی رہ گئیں تو میرے خاوند غزیہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے ساتھ دو عورتیں بھی آئی ہیں، وہ بھی آپ کی بیعت کرنا چاہتی ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (قد بايعتهما على ما بايعتكم عليه، إنّي لا أصافح النّساء) "میں نے انھی شرائط پر ان دونوں کی بھی بیعت لے لی ہے، جن شرائط پر تمھاری بیعت لی ہے۔ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"[198]

علاوہ ازیں یہ مجاہدہ خاتون غزوۂ احد، حدیبیہ، خیبر، عمرۃ القضاء، حنین اور جنگ یمامہ میں بھی شریک رہیں۔[199]

---

[197]- طبقات ابن سعد: (۸/ ۳۰۳)، الاصابۃ: (۸/ ۴۴۱)۔

[198]- الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (۸/ ۴۴۲)، نیز دیکھیے: سنن ابن ماجہ: (۲۸۷۴)، وسنن نسائی: (۴۱۸۱)۔

[199]- طبقات ابن سعد: (۸/ ۳۰۳)۔

ام عمارہ بنت کعب رضی اللہ عنہا غزوۂ احد میں اپنے خاوند غزیہ بن عمرو اور اپنے دو بیٹوں کے ساتھ شریک تھیں، اور صبح ہی سے ان کے ساتھ مشکیزہ لے کر زخمیوں کو پانی پلانے کے لیے نکل گئی تھیں۔ اس دن لڑائی میں بھی حصہ لیا اور اچھی کارکردگی دکھائی۔ اس جنگ میں ان کو نیزوں اور تلواروں کے بارہ زخم آئے۔

ام سعید بنت سعد کہتی ہیں کہ میں ام عمارہ کے پاس گئی اور کہا کہ جنگ احد کے حالات ذرا سنا دیجیے۔ فرمانے لگیں کہ میں شروع دن ہی میں احد کی طرف نکل پڑی، میں لوگوں کو دیکھ رہی تھی کہ کیا کر رہے ہیں۔ میرے ساتھ پانی کا مشکیزہ تھا۔ چلتے چلتے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی، اس وقت آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تھے اور اس وقت فتح و نصرت مسلمانوں کے حق میں تھی، لیکن جب مسلمانوں کو شکست ہونے لگی تو میں رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھی، آپ کے تحفظ و دفاع میں کفار سے لڑنے لگی اور تیر اور تلوار کے ذریعے ان کو آپ ﷺ سے دور کرنے لگی، یہاں تک کہ میں زخمی ہو گئی۔

ام سعید کہتی ہیں کہ میں نے بذاتِ خود ام عمارہ (رضی اللہ عنہا) کے کندھے پر ایک گہرے زخم کا نشان دیکھا، میں نے کہا: اے ام عمارہ! یہ زخم کس نے لگایا؟ انھوں نے بتایا کہ نامراد ابن قمیئۃ آگے بڑھا، جب کہ مسلمان بکھر چکے تھے، وہ چیختے چلاتے ہوئے کہنے لگا: مجھے بتاؤ کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ آج (نعوذ باللہ) یا تو وہ نہیں یا تو میں نہیں۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر مجاہدین اس کے سامنے آ گئے۔ میں بھی ان میں شامل تھی۔ اس نے مجھے یہ زخم لگایا، میں نے بھی اس پر کئی ضربیں لگائیں، لیکن اس اللہ کے دشمن پر دو زرہیں تھیں، اس لیے کوئی اثر نہ ہوا۔[200]

عبد اللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ہم راہ غزوۂ احد میں شریک ہوا۔ لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر مختلف اطراف میں بکھر گئے۔ میں اور میری والدہ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا دفاع کرنے لگے۔ مجھے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ام عمارہ کے بیٹے ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاباش! دشمن پر وار کرو۔ میں نے پتھر اٹھا کر ایک مشرک کو دے مارا۔ پتھر گھوڑے کی آنکھ پر

---

[200]۔ طبقات ابن سعد: (۸/ ۳۰۳-۳۰۴)۔

لگا، جس پر وہ مشرک سوار تھا۔ پتھر لگنے سے گھوڑا لڑکھڑایا، وہ اور اس کا سوار زمین پر گر گئے۔ میں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے پے درپے اسے پتھر مارنے شروع کر دیے (اور تھوڑی دیر بعد وہ ٹھنڈا ہو گیا۔) نبی کریم ﷺ یہ منظر دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

پھر آپ ﷺ نے میری والدہ کے کندھے پر زخم دیکھا، فرمایا کہ اپنی والدہ کی خبر لو اور ان کو پٹی باندھو۔ اللہ تعالیٰ تمھارے خاندان پر برکت نازل فرمائے، تمھاری والدہ کا مقام فلاں فلاں (کے مقام) سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے خاندان پر رحم فرمائے اور تمھاری والدہ کے شوہر کا مقام فلاں فلاں سے بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے خاندان پر رحم فرمائے۔ میری والدہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں بھی ہمیں آپ کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! انھیں جنت میں میرے رفقاء میں شامل فرمادے۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہانے کہا کہ اب مجھے دنیا میں کسی مصیبت کی کوئی پروا نہیں۔ [201]

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ احد میں میرے بائیں بازو میں زخم آ گیا۔ یہ زخم مجھے کھجور کے تنے کی طرح ایک لمبے آدمی نے لگایا تھا، لیکن وہ مجھے زخمی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ زخم کا خون کسی طرح بند نہ ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ زخم پر پٹی باندھ لو۔ پس میری والدہ میری طرف آئیں۔ ان کے پاس کئی ایک پٹیاں تھیں، جو ان کے ازار میں بندھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے ایک پٹی میرے زخم پر باندھ دی۔ نبی کریم ﷺ کھڑے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میری والدہ نے کہا کہ میرے بیٹے! اٹھو اور کفار سے جنگ کرو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (وَمَنْ يُطِيقُ مَا تُطِيقِينَ يَا أُمَّ عُمَارَةَ!) "اے ام عمارہ! بھلا تم جیسی طاقت اور ہمت کون رکھتا ہے؟"

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اتنے میں وہ شخص آیا جس نے میرے بیٹے کو زخمی کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ہے جس نے تیرے بیٹے پر حملہ کیا تھا۔ پس میں نے یہ سن کر اس شخص پر حملہ کر دیا اور اس کی ٹانگ پر ضرب لگائی، جس کی وجہ سے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، تو آپ مسکرا رہے

---

[201]- طبقات ابن سعد: (۸/ ۳۰۵)۔

تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے اندرونی دانت مبارک نظر آنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام عمارہ! تم نے بدلہ لے لیا۔ فرماتی ہیں: پھر میں نے اس پر ہتھیار سے وار کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: (الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي ظَفَرَكِ وَأَقَرَّ عَيْنَكِ مِنْ عَدُوِّكِ وَأَرَاكِ ثَأْرَكِ بِعَيْنِكِ.)[202] "شکر ہے اللہ کا جس نے تجھے کامیابی دی، دشمن کی جانب سے تیری آنکھ کو ٹھنڈا کیا اور تجھے تیرا بدلہ بچشمِ خود دکھلا دیا۔"

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نہایت بہادر اور عالی ہمت ہونے کے ساتھ ساتھ صبر و ثبات کا مجسمہ بھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے بیٹے سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب نے شہید کر دیا، تو آپ رضی اللہ عنہا نے صبر واحتساب کا خوب خوب مظاہرہ کیا۔ واقعے کی تفصیل یوں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذاب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے اور گمراہی سے باز آجانے کی تلقین کے لیے ایک مکتوب گرامی بھیجا۔ مکتوب گرامی لے جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی نظر انتخاب سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ وہ نبی کریم ﷺ کا مکتوب گرامی لے کر مسیلمہ کذاب کے پاس گئے اور خط اس کے سپرد کیا۔ یہ خط دیکھتے ہی مسیلمہ غصے سے بپھر گیا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ حبیب بن زید کو گرفتار کر کے لوگوں کے سامنے لایا جائے۔ جب انھیں تمام لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا تو مسیلمہ نے ان سے کہا: کیا تم اقرار کرتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اس نے کہا: کیا تم اقرار کرتے ہو کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں؟ سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے سنائی ہی نہیں دیتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ مسیلمہ نے کئی بار ان سے یہ سوال یہ دہرایا، انھوں نے ہر بار یہی جواب دیا۔ مسیلمہ کذاب نے غصے میں آکر یہ حکم دیا کہ ان کے جسم کا ایک ایک جوڑ کاٹ کر ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔[203]

---

[202]۔ طبقات ابن سعد: (۸/ ۳۰۴-۳۰۵)

[203]۔ الانشراح ورفع الضیق في سیرة أبي بکر الصدیق: (۲۶۳-۲۶۴)، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب (۱/ ۳۲۰)۔

اس طرح سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ پر ایمان کا اقرار کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ جب سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ان کی والدہ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو ملی تو انھوں نے کمال انداز میں صبر کا مظاہرہ کیا اور ثواب کی نیت کر لی۔

جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ لڑی گئی، تو اس میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ بن زید کے ہمراہ شرکت کی۔ جنگ یمامہ میں ان کا ہاتھ کاٹا گیا اور گیارہ زخم ہاتھ کے علاوہ تھے، مدینے میں یہ زخمی حالت میں پہنچیں۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی خیریت معلوم کرنے ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے، حالانکہ وہ اس وقت خلیفہ تھے۔[204]

اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ مسیلمہ کذاب کے قتل میں سیدنا حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کے برادر سیدنا عبداللہ بن زید نے بھی سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کر کے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا[205]۔

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا یقیناً ایک فاضلہ، مجاہدہ اور حقیقی مومنہ خاتون گزری ہیں۔ انھوں نے ۱۳ ھ میں وفات پائی[206]۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔ آمین۔

---

[204] طبقات ابن سعد: (۸/ ۳۰۶)۔

[205] اسد الغابۃ: (۳/ ۲۵۰)۔

[206] الأعلام للزركلي: (۸/ ۱۹)۔

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

یہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔ان دونوں کی والدہ کا نام ام العزی قیلہ تھا۔ بعض ان کا نام قتیلہ بتاتے ہیں۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ان کی پیدائش کے وقت ان کے والد کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ یہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والد کی طرف سے بہن تھیں۔انھوں نے سترہ افراد کے بعد پہلے مرحلے میں اسلام قبول کر لیا تھا۔[207]

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا خدمت دین میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیتی تھیں۔ چنانچہ فرماتی ہیں: جب اباجان اور نبی کریم ﷺ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو میں نے ان کے لیے زادِ راہ تیار کیا۔ایک تھیلے میں کھانا اور ایک مشکیزے میں پانی ڈال دیا اور اباجان سے کہا کہ میرے پاس ازار بند کے علاوہ اس وقت گھر میں کوئی چیز نہیں، جس سے تھیلے اور مشکیزے کا منہ باندھ سکوں۔ تو انھوں نے فرمایا: ازار بند کے دو حصے کر لو، ایک سے تھیلے کا منہ باندھ دو اور دوسرے سے مشکیزے کا منہ باندھ دو۔ تو میں نے ایسے ہی کیا۔اسی دن سے میرا لقب ذات النطاقین مشہور ہو گیا۔[208]

اس مجاہدہ خاتون نے دین کی راہ میں کئی تکالیف برداشت کیں۔ چنانچہ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے تو قریش کی ایک جماعت ہمارے پاس آئی، ان میں ابو جہل بھی تھا۔ وہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں گھر سے ان کی طرف نکلی، تو اس نے کہا: اے ابو بکر کی بیٹی! تیرا باپ کہاں ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتی کہ میرے اباجان کہاں

---

[207] اسد الغابۃ: (۷/ ۷)۔

[208] صحیح بخاری: (۲۹۷۹،۳۹۰۷)۔

ہیں ؟ابو جہل بڑا بے ہودہ گو اور بے حیا شخص تھا،اس نے میرے رخسار پر ایک تھپڑ رسید کر دیا، جس سے میرے کان کی بالی دور جا گری۔ پھر وہ سب واپس چلے گئے۔[209]

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کی مفلوک الحالی اور اس مفلوک الحالی پر اپنے صبر کو ان الفاظ میں بیان فرماتی ہیں : زبیر رضی اللہ عنہ نے جب مجھ سے شادی کی تو ان کے پاس ان کے گھوڑے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ میں ان کے گھوڑے کو چارہ ڈالتی، پانی پلاتی، ہر طرح سے اس کا خیال رکھتی اور آٹا بھی گوندھتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے شوہر کو زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا عطا کیا تھا، جہاں سے میں ان کے گھوڑے کے لیے اپنے سر پر گٹھلیاں (چارہ) لاد کر لاتی تھی۔[210]

علاوہ ازیں سیدہ اسماء بڑی ہی عبادت گزار اور سخاوت اور صدقے کی ترغیب دینے والی خاتون تھیں۔ وہ نہایت بہادر، بلند حوصلہ، عالی ہمت اور ''قولوا قولاً سدیداً'' کی عملی پیکر تھیں۔

حجاج بن یوسف بن حکم ثقفی ایک ظالم جابر لیڈر، سیاست دان اور خطیب تھا۔ یہ ۴۰ھ میں پیدا ہوا اور طائف میں پرورش پائی پھر وہ شام منتقل ہو گیا اور وہاں جا کر عبد الملک بن مروان کے نائب روح بن زنباع کے ساتھ مل گیا۔ اس نے اسے پولیس میں بھرتی کر لیا۔ وہ مسلسل ترقی کرتا گیا، یہاں تک کہ عبد الملک بن مروان نے اسے لشکر کا سربراہ بنا دیا اور اسے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا۔ وہ ایک لشکر جرار لے کر حجاز روانہ ہوا۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اس نے قتل کیا اور ان کے لشکر کو پارہ پارہ کر دیا۔

عبد الملک بن مروان نے اس کو مکہ، مدینہ اور طائف کا گورنر مقرر کر دیا۔ پھر عراق کی قیادت بھی اسی کے سپرد کر دی اور وہاں اٹھنے والی شورش کو دبانے کا کام بھی اسی کو سونپ دیا۔ حجاج بن یوسف نے بغداد پہنچ کر وہاں اٹھنے والی شورش کا قلع قمع کر دیا۔ وہ بیس سال تک گورنری کے منصب پر فائز رہا۔ حجاج بن یوسف نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان واسط شہر کی بنیاد رکھی۔ اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حجاج بن یوسف بڑا ظالم، جابر اور سفاک حکمران تھا۔

---

[209] تاریخ الإسلام: (۱/ ۶۷۷)۔

[210] ۔ سیر اعلام النبلاء: (۲/ ۲۹۰-۲۹۱)۔

بہت سے لوگوں نے اس کی اطاعت کی اور بہت سے لوگوں نے اس کی نافرمانی بھی کی۔ یہ پہلا حکمران ہے جس نے درہم پر (لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ) کندہ کرایا۔ وہ صحابہ کے بعد پہلا شخص ہے جس نے تاریخ اسلام میں کئی نئے شہروں کی بنیاد رکھی۔ اس کے دور میں ایک مسلم عورت ہندوستان میں گرفتار ہوئی اور اس نے فریاد کی تو اس نے اس کی فریادرسی کرتے ہوئے سات ہزار درہم خرچ کر کے اسے قید سے رہائی دلائی۔ [211]

جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے کہا: ''الٰہی ! مجھے بخش دے، لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔''اصمعی کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے اپنی موت کے وقت یہ شعر کہے:

يَا رَبِّ قَدْ حَلفَ الأَعْدَاءُ وَاجْتَهَدُوا   بِأَنَّنِي رَجُلٌ مِنْ سَاكِنِي النَّارِ

أَيَحْلِفُونَ عَلَى عَمْيَاءَ وَيْحَهُمُ   مَا عِلْمُهُمْ بِكَثِيرِ الْعَفْوِ سَتَّارِ

'' اے میرے رب ! دشمنوں نے قسم کھائی ہے اور پُر زور قسم کھائی ہے کہ میں جہنم کے باشندوں میں سے ہوں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہ اندھادُھند قسم کھارہے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ اللہ پردہ پوشی کرنے والا اور بہت معاف کرنے والا ہے۔''

حجاج بن یوسف نے ۲۷ رمضان المبارک ۹۵ھ کو وفات پائی۔ [212]

جناب عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور عبد اللہ اپنی والدہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ یہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت سے دس دن پہلے کا وقعہ ہے۔ والدہ محترمہ کو بخار تھا۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: امی جان ! کیسی ہیں؟ انھوں نے کہا: بیمار ہوں۔ عبد اللہ نے کہا: موت میں عافیت ہے۔ انھوں نے تفنن طبع کے طور پر کہا: کیا تم میری موت چاہتے ہو؟ بیٹا ! ایسا نہ کرو، اور ساتھ ہی ہنس پڑیں اور کہنے لگیں: اللہ کی قسم ! میں اس وقت تک نہیں مرنا چاہتی، جب تک تیری ان دو حالتوں میں سے ایک کو نہ دیکھ لوں، یا تو تجھے شہید

[211]۔ الأعلام للزركلي: (۲/ ۱۶۸)۔

[212]۔ تاریخ الإسلام: (۲/ ۱۰۷۸)۔

کر دیا جائے اور میں ثواب کی نیت (سے صبر) کر لوں، یا تم کامیاب ہو کر لوٹو تو اس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ دیکھنا! موت سے ڈرتے ہوئے دشمن کی جانب سے کسی پیش کش کو قبول نہ کر لینا۔[213]

جناب ابو نوفل بیان کرتے ہیں: میں نے سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (کے جسدِ خاکی) کو (مکہ مکرمہ کے) شہر کی گھاٹی میں (کھجور کے ایک تنے سے لٹکا ہوا) دیکھا، کہا: تو قریش اور دوسرے لوگوں نے وہاں سے گزرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے گزرے تو وہ ان (ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کے پاس کھڑے ہو گئے اور (انھیں مخاطب کرتے ہوئے) کہا: ''ابو خبیب! آپ پر سلام۔ ابو خبیب! آپ پر سلام۔ ابو خبیب! آپ پر سلام۔ اللہ گواہ ہے کہ میں آپ کو اس سے روکتا تھا۔ اللہ گواہ ہے کہ میں آپ کو اس سے روکتا تھا۔ اللہ گواہ ہے کہ میں آپ کو اس سے روکتا تھا۔ اللہ کی قسم! آپ، جتنا مجھے علم ہے، بہت روزے رکھنے والے، بہت قیام کرنے والے اور بہت صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم! وہ امت جس میں آپ سب سے برے (قرار دیے گئے) ہوں، وہ امت تو پوری کی پوری بہترین ہو گی!'' (یعنی تیرے دشمنوں نے یہ سمجھا کہ تم امت کے بدترین شخص ہو۔ حالاں کہ تم امت کے بہترین شخص تھے، امت میں تو بڑے بڑے ظالم، قاتل اور مجرم موجود ہیں۔ آپ کسی طور پر اس سلوک کے مستحق نہ تھے۔)

پھر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے چلے گئے۔ حجاج کو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے وہاں پر کھڑے ہونے کی خبر پہنچی تو اس نے کارندے بھیجے۔ ان (کے جسد خاکی) کو کھجور کے تنے سے اتارا گیا اور انھیں جاہلی دور کی یہود کی قبروں میں پھینک دیا گیا۔ پھر اس نے (ابن زبیر کی والدہ) سیدہ اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے پاس کارندہ بھیجا۔ انھوں نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے دوبارہ قاصد بھیجا کہ یا تو تم میرے پاس آؤ گی، یا پھر میں تمھارے پاس ان لوگوں کو بھیجوں گا، جو تمھیں تمھارے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ کر لے آئیں گے۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے پھر انکار کیا اور فرمایا: ''میں ہر گز تیرے پاس نہ آؤں گی، یہاں تک کہ تو میرے پاس ایسے شخص کو بھیجے جو مجھے میرے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ کر لے جائے۔ کہا: تو حجاج کہنے لگا: مجھے میرے جوتے

[213]۔ سیر اعلام النبلاء: (۲/ ۲۹۳)۔

دکھاؤ۔اس نے جوتے پہنے اور اکڑتا ہوا تیزی سے چل پڑا، یہاں تک کہ ان کے ہاں پہنچا اور کہا: تم نے مجھے دیکھا کہ میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا کیا؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے تمھیں دیکھا کہ تم نے اس پر اس کی دنیا تباہ کر دی، جب کہ اس نے تمھاری آخرت برباد کر دی۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تو اسے ذات النطاقین (دو پٹیوں والی) کا بیٹا کہتا ہے، ہاں، اللہ کی قسم! میں ذات النطاقین ہوں۔ میں نے اپنے ازار بند کے دو حصے کیے، ایک کے ساتھ میں رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کھانا سواری کے جانور پر باندھتی تھی اور دوسرا حصہ ہر خاتون کے لیے ضروری ہے۔ (سب کو لباس کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔) اور سنو! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا تھا کہ بنو ثقیف میں ایک بہت بڑا کذاب ہو گا اور ایک بہت بڑا سفاک ہو گا۔ کذاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور رہا سفاک تو میں نہیں سمجھتی کہ وہ تیرے علاوہ کوئی اور ہو گا۔ (راوی نے) کہا: تو وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور انھیں کوئی جواب نہ دے سکا۔[214]

سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی وفات کے وقت ان کی عمر سو سال ہو گئی تھی۔ ان کا کوئی دانت نہیں گرا تھا اور نہ عقل و دانش میں ہی کوئی اضمحلال پیدا ہوا تھا، البتہ ان کی بینائی ختم ہو گئی تھی۔ انھوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو کفن پہنایا اور نماز جنازہ پڑھی۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما صابرہ، شاکرہ، زاہدہ، عابدہ، صادقہ اور ذاکرہ خاتون تھیں۔

سیدہ اسماء اپنے بیٹے کی شہادت کے چند روز بعد وفات پا گئیں[215]۔ ایک روایت میں ہے کہ جب ان کے بیٹے کی لاش اتاری گئی تو دس، یا بیس، یا بیس سے کچھ زیادہ دن کے بعد اس مخلص خاتون کی وفات ہو گئی۔ سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ۷۳ھ میں شہید کر دیا گیا تھا[216]۔ فرضی اللہ عنہما وارضاہما۔

[214]۔ صحیح مسلم: (۲۵۴۵)۔

[215]۔ تاریخ الإسلام: (۲/ ۷۸۵)۔

[216]۔ اسد الغابۃ: (۷/۷)۔

چند اختتامی کلمات:

قارئین کرام! یہ تھا چند چیدہ چیدہ ماؤں کا تذکرہ جنھوں نے باذن اللہ اپنے پاس اللہ کی عظیم امانت اور نعمت یعنی نعمت اولاد پر خصوصی توجہ اور عنایت دے کر ان کی ایسی تربیت کی کہ وہ نفوس قدسیہ تاریخ اسلام کے اوراق کی زینت اور ہزاروں سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔ایک عورت کے لیے اتنا فخر کافی ہے کہ اولین و آخرین کے سردار جناب محمد مصطفی ﷺ کو بھی جنم ایک عورت نے ہی دیا ہے۔

تاریخ سے جُڑ جانا اور اپنے ماضی سے باخبر اور واقف ہونا زندہ قوموں کی پہچان ہے۔ ہمارے اسلاف میں طبقۂ نسواں میں خدمت دین اور تحصیل علم کا کس قدر شوق تھا، اس کا کچھ اندازہ گزشتہ اوراق میں درج واقعات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ انھی قیادت کرنے والی ماؤں نے اپنے بچوں کی تربیت اس انداز میں کی کہ وہ آگے چل کر قوم کے معمار اور ائمہ دین بن گئے۔ ان کی حیات طیبہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے والدین کی آنکھیں بھی ٹھنڈی کر دیں اور کامیابی اور فوز و فلاح نے بھی ان کے قدم چومے۔اس کتابچے میں انھی عظیم، عالی ہمت اور محسن ماؤں میں سے چند کا مختصر تذکرہ ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر کیا گیا ہے۔تالیف کتاب کا مقصد وحید یہ ہے کہ موجودہ دور کی خواتین بھی اپنی ذمہ داریوں سے آشنا ہو کر اپنے اسلاف کے نہج اور ان کی ڈگر پر چل کر فلاح دارین حاصل کر کے دنیا و آخرت میں حیات طیبہ جینے کی مستحق بن جائیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتابچے کو فتنوں اور مادیت کے اس تاریک دور میں مسلم امت کے لیے ایک مصباحِ منیر بنائے۔ آمین۔ (وماذلک علی اللہ بعزیز).

اپنے اسلاف کی سیرت اور ان کے طریقہ کار سے دوری مسلمانوں کو مسلسل پستی اور ذلت کا شکار بنا رہی ہے۔ مسلمانوں میں مادیت کا جنون اور مغربی تہذیب کو اپنانے کا ولولہ، اپنے بچوں کی تربیت و نشو و نما، ان کے من گھڑت اصولوں کے مطابق کرنے کا شوق؛ یہ سب اپنے سلف صالحین کی سیرت سے غفلت کا نتیجہ ہے۔ آج کل کے دور میں بھی حسن بصری رحمہ اللہ جیسی عظیم ہستی کا ثانی پیدا ہو سکتا ہے، لیکن تربیت کرنے والی اگر خیرہ رحمہا اللہ جیسی ماں ہو۔ کامیابی آج بھی ہماری منتظر ہے، لیکن اس کے لیے شرائط کا ایک گراں قدر اور نفیس پُل پار کرنا ضروری ہے۔ بہر حال،

ہم نے اس کتابچے میں چند عالی ہمت اور بلند حوصلہ، عالمات و فاضلات ماؤں کا نفیس اور مختصر تذکرہ پڑھا، جس سے ہمارے اندر راہِ فلاح کے سالکوں کی اقتدا کا جذبہ پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ اس کتابچے کو قبول عام عطا فرما کر اس کے نفع کو عام کر دے اور اسے میرے لیے، میرے والدین، اساتذۂ کرام اور تمام معاونین اور قارئین کے لیے باعثِ مغفرت و ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین۔

۷/ يناير/ ۲۰۱۹ م

الموافق ۳۰/ربيع الثاني/۱۴۴۰هـ

فہرست مراجع ومصادر

١- ابن الأثير، علي بن محمد، (ت ٦٣٠هـ، ١٤١٥هـ)، أسد الغابة في معرفة الصحابة، دار الكتب العلمية.

٢- ابن أبي يعلي، محمد بن محمد، (٥٢٦هـ)، طبقات الحنابلة، دار المعرفة – بيروت.

٣- ابن الجوزي، عبد الرحمن بن علي (٥٩٧هـ، ١٤٠٩هـ) مناقب الإمام أحمد، دار هجر.

٤- المنتظم في تاريخ الأمم والملوك لابن الجوزي، (١٤١٢هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت.

٥- ابن حجر، أحمد بن علي، (ت ٨٥٢هـ، ١٣٧٩هـ)، فتح الباري شرح صحيح البخاري، دار المعرفة، بيروت.

٦- تهذيب التهذيب لابن حجر، (١٣٢٦هـ)، مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند.

٧- هدي الساري في مقدمة فتح الباري لابن حجر، دار طيبة.

٨- الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر، (١٤١٥هـ)، دار الكتب العلمية، بيروت.

٩- غبطة الناظر لابن حجر، (١٩٠٣م)، Baptist Mission Press, Calcatta

١٠- ابن حنبل، أحمد بن محمد، (ت ٢٤١هـ، ١٤٢١هـ)، المسند، مؤسسة الرسالة.

١١- ابن خلكان، أحمد بن محمد، (٦٨١هـ، ١٩٠٠م)، وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، دار صادر – بيروت.

١٢- ابن سعد، أبو عبد الله محمد بن سعد (ت ٢٣٠هـ، ١٤١٠هـ)، الطبقات الكبرى، دار الكتب العلمية – بيروت.

١٣- ابن عبد البر، يوسف بن عبد الله، (ت ٤٦٣هـ، ١٤١٢هـ)، الاستيعاب في معرفة الأصحاب، دار الجيل، بيروت.

١٤- ابن عثيمين، محمد بن صالح، (ت ١٤٢١هـ،٢٠٠٨م)، شرح صحيح مسلم، المكتبة الإسلامية، القاهرة.

١٥- ابن كثير، إسماعيل بن عمر، (ت ٧٧٤هـ، ١٤٢٠هـ)، تفسير القرآن العظيم، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٦- قصص الأنبياء لابن كثير، (١٣٨٨هـ)، مطبعة دار التأليف – القاهرة.

١٧- ابن ماجه، مُحَمَّد بن يزيد، (ت ٢٧٣هـ)، السنن، دار إحياء الكتب العربية.

١٨- ابن ناصر الدين، مُحَمَّد بن عبد الله (ت ٨٤٢هـ، ١٤١٣هـ)، تحفة الإخباري بترجمة البخاري، دار البشائر الإسلامية.

١٩- ابن الوردي، عمر بن مظفر، (ت ٧٤٩هـ، ١٤١٧هـ)، تاريخ ابن الوردي، دار الكتب العلمية - لبنان / بيروت.

٢٠- ابن هشام، عبد الملك بن هشام، (ت ٢١٣هـ، ١٣٧٥هـ)، السيرة النبوية، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر.

٢١- أبو داود، سليمان بن الأشعث، (ت ٢٧٥هـ)، السنن، المكتبة العصرية، بيروت.

٢٢- أبو عبد الرحمن الفوزي، (٢٠١٤م) مشهور واقعات كي حقيقت (حقيقة الوقائع المشهورة بأردو)، أريب پبليكيشنز.

٢٣- البخاري، مُحَمَّد بن إسماعيل، (ت ٢٥٦ هـ، ١٤٢٢ هـ)، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه الجامع الصحيح، دار طوق النجاة.

٢٤- الأدب المفرد للبخاري،(١٤١٩هـ)، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع، الرياض.

٢٥- البروفيسور جلالفوري، (٢٠١٥م)، شرح صحيح مسلم وفوائده (أردو)، دار العلم.

٢٦- البيهقي، أحمد بن الحسين، (ت ٤٥٨هـ،١٤٠٨هـ)، دلائل النبوة، دار الكتب العلمية، دار الريان للتراث.

٢٧- الترمذي، مُحَمَّد بن عيسى، (ت ٢٧٩هـ، ١٣٩٥هـ)، السنن، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر.

٢٨- الحاكم، مُحَمَّد بن عبد الله، (ت ٤٠٥هـ، ١٤١١هـ)، المستدرك على الصحيحين، دار الكتب العلمية — بيروت.

٢٩- الخطيب البغدادي: أبو بكر أحمد بن (ت ٤٦٣هـ، ١٤١٧هـ)، تاريخ بغداد، دار الكتب العلمية — بيروت.

٣٠- الذهبي، مُحَمَّد بن أحمد، (ت ٧٤٨هـ، ١٤٠٥هـ)، سير أعلام النبلاء، مؤسسة الرسالة.

٣١- تاريخ الإسلام للذهبي، (٢٠٠٣م)، دار الغرب الإسلامي.

٣٢- تذكرة الحفاظ للذهبي، (١٤١٩هـ)، دار الكتب العلمية بيروت.

٣٣- الزركلي، خير الدين بن محمود، (ت ١٣٩٦هـ، ٢٠٠٢م)، الأعلام، دار العلم للملايين.

٣٤- السعدي، عبد الرحمن بن ناصر، (ت ١٣٧٦ هـ - ط ١٤٢٠هـ) تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، مؤسسة الرسالة.

٣٥- السيد سليمان الندوي، (ت ١٩٥٣م، ٢٠٠٦م)، سيرة عائشة (أردو)، المكتبة الإسلامية.

٣٦- الصلابي، علي محمد محمد، (١٤٢٣هـ)، الانشراح ورفع الضيق في سيرة أبي بكر الصديق، دار التوزيع والنشر الإسلامية، القاهرة.

٣٧- السيرة النبوية للصلابي، (١٤٢٩هـ)، دار المعرفة، بيروت — لبنان.

٣٨- الطبري، محمد بن جرير، (ت ٣١٠هـ، ٢٠١٣م) جامع البيان عن تأويل آي القرآن، دار ابن حزم.

٣٩- عبد السلام المباركفوري، (ت ١٣٤٢هـ، ١٤٠٦هـ)، سيرة الإمام البخاري، الدار السلفية، بومبائي.

٤٠- الفسوي، يعقوب بن سفيان، (ت ٢٧٧هـ، ١٤٠١هـ)، المعرفة والتاريخ، مؤسسة الرسالة، بيروت.

٤١- القاضي أطهر المباركفوري، (ت ١٩٩٦م، ١٩٩٠م)، سيرة الأئمة الأربعة، إداره إسلاميات، لاهور.

٤٢- القاضي عياض بن موسى اليحصبي، (ت ٥٤٤هـ، ١٩٦٥م)،ترتيب المدارك وتقريب المسالك، مطبعة فضالة - المحمدية، المغرب.

٤٣- مالك بن أنس الإمام، (ت ١٧٩هـ، ١٤٠٦هـ)، المؤطأ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٤٤- محمد إسحاق البهتي، (ت ٢٠١٥م، ٢٠١١م)،*اسلام کی بیٹیاں*(بنات الإسلام)، الكتاب إنترنيشنل.

٤٥- ٦٠ باكمال خواتين (ستون امرأة ذات كمال) للبهتي، (٢٠١٢م)، مكتبة الفهيم، مؤ.

٤٦- محمد بن ناصر الحميد، (٢٠١٠م)، ***قرآن میں خواتین کے واقعات*** (قصص النساء في القرآن)، دار الكتاب والسنة.

٤٧- مهدي رزق الله أحمد، (٢٠١٢م)، صحيح سيرت نبوي بأردو (صحيح السيرة النبوية)، دار العلم، بومبائي.

٤٨- النسائي، أحمد بن شعيب، (ت ٣٠٣هـ، ١٤٠٦هـ)، المجتبى من السنن، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب.

٤٩- النيسابوري، مسلم بن الحجاج، (ت ٢٦١هـ)، المسند الصحيح المختصر، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٥٠- مقتدى حسن الأزهري الدكتور، (ت ٢٠٠٩ م، ٢٠٠٧ م) خاتون الإسلام (أردو) مكتبة الفهيم، مئو.